یعنی

مکالمۃ الصدرین کا جواب ۱۳۶۵ھ

از

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی
شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند
وصدر جمعیۃ علماء ہند

طابع وناشر محمد وحید الدین قاسمی دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۔ (جملہ حقوق بحق جمعیۃ محفوظ) ۔

کشف حقیقت

یعنی

مکالمۃ الصدرین کا جواب

از حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب
مدنی مدظلہ - صدر جمعیۃ علمائے ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین! والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین - امابعد - یورپین اقوام عموماً اور برطانیہ خصوصاً اپنے اغراض ومقاصد کے لئے خواہ وہ کسی قدر بھی مذموم اور مشئوم ہوں ہر قسم کے جائز اور ناجائز ذرائع اور وسائل کو استعمال کرنا نہ صرف مباح سمجھتی ہیں بلکہ ضروری اور فرض خیال کرتی ہوئی عملدر آمد کرتی رہی ہیں - اس راہ میں ہر ہر قسم کی ڈپلومیسی اور دجل وفریب اور ہر ہر نوع کی منافقت اور بددیانتی کو انتہائی کمال اور سیاست شمار کرتی ہیں -

تہمت تراشی اور افتراپردازی، دروغگوئی اور بہتان بندی ان کے یہاں اوجِ کمال کی مقدس سیڑھیاں ہیں - جن کے لئے نہ صحافتی ذمہ داریاں مانع ہوتی ہیں - نہ انسانی اخلاق اور مذہبی تعلیمات سدراہ بنتی ہیں - یہی ان کا نصب العین اور مقصد زندگی ہے اور یہی ان کا معیار عروج وترقی ہے یعلمون ظاهراً من الحیوٰۃ الدنیا وهم عن الاٰخرۃ هم غافلون -

جس قدر بھی کوئی شخص ڈپلومیٹک اور دروغگو ہے وہی سب سے زیادہ پولیٹیکل اور صاحب کمال سیاسی ہے۔ ان کو ان امور میں گوئے سبقت حاصل کرنے میں نہ حیا و شرم مانع ہوتی ہے اور نہ مخلوق کی مظلومیت اور انکے احتجاجات اور تنقیدات کی پرواہ ہوتی ہے۔

اُن کی گذشتہ تاریخ اور روزمرہ کے واقعات اس پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں آج بدقسمتی سے یورپ زدہ ایشیائی اقوام عموماً اور نوجوانان ہندوستان خصوصاً ان کی اس ملعون تہذیب سے متاثر ہو کر اسی طرز کو محمود سمجھتے اور اس پر عملدرآمد کرنا فخر سمجھتے ہیں۔

اور یہ زہر ان کے رگ و جسم میں اس قدر سرایت کر گیا ہے کہ ایسے امور کی قباحت اور شناعت بھی ان کے ذہن و دماغ سے جاتی رہی۔ اور کیوں نہو؟ جبکہ لارڈ میکالے نے صاف صاف کہدیا تھا کہ ہمارا مقصد ہندوستان میں تعلیم سے یہ ہے کہ "ایسے لوگ پیدا ہوں جو کہ رنگ اور نسل کی حیثیت سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کی حیثیت سے انگریز ہوں"۔ چنانچہ مسلم لیگ کے ممبران اور زعماء عموماً وہی لوگ ہیں جو اسی مغربی تعلیم اور تہذیب سے سرشار اور اسی کے دلدادہ ہیں۔ ان کی نظر میں مذہبی تعلیم اور عقائد و اصول (حسب تصریحات لوتھر) ایک زائد اور فضول چیز بن کر صرف شخصی اصلاحات کی چیز بنکر رہ گئی ہے جسکو قومی عروج اور ترقی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ حسب قول ڈبلو، ڈبلو ہنٹر "ہمارے اسکولوں اور کالجوں کا پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو!"

عوام کے اذہان پر پردہ ڈالنے کیلئے کبھی کبھی مذہب اور اس کی تعلیمات اور اسکے اصول اور اخلاق کا تذکرہ زبان و قلم پر اگرچہ آجاتا ہے مگر ان کی زندگی اور اعمال اس سے کوسوں دور ہیں۔ وہ کون سی بہتان بندیاں اور افترا پردازیاں ہیں جو ان کے پریسوں اور اخباروں میں روزانہ نہ پائی جاتی ہوں۔ اور وہ کون سی بدتہذیبیاں اور بداخلاقیاں ہیں جو ان کے اعمالناموں کو دن و رات رنگین نہ کرتی ہوں۔

ان کی تحریریں اور تقریریں اور ان کی زبان وجوارح شب وروز اسی شرمناک طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور وہ جماعتی نظام کے پردہ میں اپنی اغراض شخصیہ کے لئے ان ہی ہتھیاروں سے سج کر ہر میدان میں نہ صرف وقف ہیں بلکہ نہایت تیزی سے گامزن نظر آتے ہیں۔ ان کو کوئی جھجک اور رکاوٹ بد اخلاقی اور دروغ بافی سے اس میدان میں مارچ کرنے سے عارض اور مانع نہیں ہوتی اور دن رات لوگوں کی پگڑیاں اچھالنا اور اپنے غیر ہم خیالات کو ذلیل وخوار کرنا، ان پر تہمتیں رکھ کر عوام کو ان سے متنفر بنانا اور غیر واقعی چیزوں کو جان بوجھ کر ان کی طرف منسوب کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

یورپ کا مشہور مقالہ "جھوٹ برابر بولتے رہو، آخرکار اس کی تصدیق کرنیوالے پیدا ہو ہی جائینگے" ان کا دتیرہ ہو گیا ہے۔ وہ جھوٹ اور افترا پردازی پر اس قدر دلیری اور جسارت سے عمل کرتے رہتے ہیں کہ گیا ان امور کی واقعیت میں کوئی شبہ تک نہیں، پَر کا کبوتر بنانا اور ذرہ کو پہاڑ کہدینا، تو پرانے زمانہ کے جھوٹوں کا کام تھا۔ ان مغرب زدہ حضرات کے یہاں "بے پر کا کبوتر" اور بغیر ذرہ کے پہاڑوں کی تخلیق روزمرہ کا شیوہ ہو گیا ہے۔

مکالمۃ الصدرین اس قسم کی مفتریات اور اکاذیب عرصہ دراز سے ہماری نظروں سے گذرتی رہی ہیں۔ مگر ہم نے ہمیشہ ان کی تردید اور تغلیط سے متعدد وجوہ سے اعراض کرنا اور اپنے اوقات کو اس میں ضائع کرنے سے بچانا ضروری سمجھا۔ اسی ضمن میں ہمارے دوستوں نے ہم کو رسالہ "مکالمۃ الصدرین" کی طرف متوجہ کیا۔ جس میں کذب وافترا کو ایسی خوش اسلوبی سے بھر دیا گیا ہے کہ ناواقف آدمی اس کو واقعیت کا جامہ پہنانے میں ذرا بھی توقف نہ کریگا۔ چونکہ اس کی نسبت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی طرف کی گئی ہے۔ اس لئے اس سے لوگوں کو بہت سے شبہات اور خلجانات پیدا ہوئے اور وہ ہماری طرف رجوع ہوئے۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بلاشبہ اس میں اس قدر اکاذیب اور غلط بیانیاں ہیں کہ جن کو دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اور بجز افسوس اور انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے اور کوئی

چارۂ کار نظر نہ آیا۔ ہم نے چاہا کہ جس طرح ہم سالہا سال سے لیگی یاوہ گوئیوں اور افترا پردازیوں کا جواب سکوت اور چشم پوشی سے دیتے رہے ہیں اس سے بھی سکوت اور اغماض کو عمل میں لائیں مگر حضرت مولانا موصوف کی طرف نسبت ہونے سے لوگوں کے خلجانات روز افزوں ہوتے رہے اور ہم سے مشافہۃً اور تحریراً بار بار سوال کیا گیا۔ ہم کو بھی علامہ موصوف کی علو قدر اور بلند مقامی جسکے مٹانے کی ان کے گندم نما جو فروش خود غرض دوستوں نے قسم کھا رکھی ہے اس بارہ میں قلم اٹھانے اور اظہار واقعیت سے مانع ہوتی رہی۔ مگر جب ہم کو معلوم ہوا کہ مولانا اپنے کوفی دوستوں سے اس قدر مسحور ہو رہے ہیں کہ اپنی تقریروں میں برابر اس مجموعۂ دجل وفریب پر فخر کرتے اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہوئے مباہلہ تک کا اعلان کرتے ہیں تو ضروری معلوم ہوا کہ مختصر طور پر اس رسالہ کی حقیقت کو واضح کر دیں ہمارے لئے حضرت مولانا کی نازک مزاجی اگرچہ سدّ راہ ہوتی رہی اور قلم اٹھانے سے ہم جھجکتے رہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ (معاذ اللہ) مولانا کے وقار کو کسی درجہ میں بھی ٹھیس لگے مولانا کی عزّت اور وقار کو ٹھیس لگنا ہم سبھوں کی عزت اور وقار کیلئے باعث ننگ و عار ہے، مگر ان کے دوست نما دشمنوں نے ایسے مقام پر مولانا کو لاکر کھڑا کر دیا ہے کہ جس سے چشم پوشی کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا ہے۔

قومی ھم قتلوا امیم اخی! فاذا رمیت یصیبنی سھمی!
ولئن عفوت لاعفون جللاً! ولئن کسرت لاوھنن عظمی!

افسوس ہے کہ مولانا موصوف ان عیاریوں اور چالاکیوں سے بالکل غافل ہو گئے ہیں جو کہ اس رسالہ کی ترتیب وتہذیب میں عمل میں لائی گئی ہیں اور عوام کو دھوکہ دینے اور واقعات پر پردہ ڈالنے میں صرف کی گئی ہیں اور جو بلاشبہ اس قابل ہیں کہ ان کو طشت از بام کیا جائے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بہت بڑی شخصیت کے مالک اور متبحر عالم ہیں مگر امی کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف میں بعض کمزوریاں بھی ہیں۔ مثلاً اگر مولانا کے

اردگرد اور ماحول میں ایسے خود غرض اور فتنہ جو افراد جمع ہوجاتے ہیں جو مولانا کی منتہٰ درجہ محبت کو آلہ بنا کر اور "انی لکما لمن الناصحین" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے قسمیں کھا کھا کر مولانا کو مسحور کرلینا چاہیں تو مولانا موصوف کا مزاج بآسانی اس کو قبول کرلیتا ہے۔ اور اس فریب میں مولانا ہمیشہ ایسے شکار ہوجاتے ہیں کہ وہ نہ کرنے والی باتوں کے ارتکاب میں بھی کچھ پس و پیش نہیں فرماتے اور پھر اپنی اس روش پر مولانا کو اسقدر ترنج ہوجاتی ہے کہ گویا وہ مسحور ہوگئے ہیں اور اسلئے وہ صرف آگے آنیوالے نتائج مشئومہ سے ہی بے نیاز نہیں ہوجاتے بلکہ اپنے حقیقی مقام کو بھی بھلادیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے واقعات بارہا پیش آچکے ہیں جن سے مولانا موصوف کے نیاز مند اور مخلص دوست بخوبی واقف ہیں اور جن میں سے متعدد امور کی طرف حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میرٹھ میں اشارہ فرمایا ہے۔

اصل واقعہ کا تذکرہ

اواخر ماہ ذی الحجہ میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور مولانا عبد الحنان صاحب کسی ضرورت سے دیو بند حاضر ہوئے تو اس نیاز مندی کی بناپر جوکہ ہر دو حضرات کو مولانائے موصوف سے پہلے سے چلی آتی ہے حاضر خدمت ہوئے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ مولانا موصوف کے متعلق اخباروں میں شائع ہورہا تھا کہ مولانا نے جمعیۃ علماء اسلام کے اجلاس کلکتہ میں اپنا خطبہ بھیجکر اس میں غائبانہ شرکت فرمائی ہے اور اہل جمعیۃ مذکورہ کی خواہش ہے کہ مولانا مستقل صدر اس جمعیۃ کے ہوجائیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بوجہ قلت وقت کوئی مفصل گفتگو مسائل حاضرہ پر کرنی مناسب نہ سمجھ کر عرض کیا کہ میں اپنے دیرینہ تعلقات کی بناپر چاہتا ہوں کہ آنجناب کی خدمت میں ان مسائل کے متعلق کچھ یادداشت پیش کرکے تبادلۂ خیالات کروں اور لیگی پریس کی اشاعات نے جو گنجلک پیدا کر رکھی ہے اس کی حقیقت سے مطلع کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مولانا نے کشادہ پیشانی سے اسکو قبول فرمایا اور اس گفتگو اور وعدے کے کچھ ہی بعد

انھوں نے ایک عریضہ دہلی سے مولانا کی خدمت میں بھیجا جس میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور بعض دیگر احباب کی حاضری کی بھی درخواست پیش کرتے ہوئے ان حضرات کی آمد کی خبر دی تھی۔

چونکہ راقم الحروف جمعیۃ علماء ہند کا ایک خادم ہے۔ اسلئے کارکنان جمعیۃ بوقت ضرورت کبھی مجھ کو دہلی بلا لیتے ہیں اور کبھی دیوبند میں میرے مکان پر تشریف لاکر ضروریات وقتیہ میں تذکرہ اور مشورہ کرتے رہتے ہیں۔ اوائل محرم ۶۵ھ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا عبد الحلیم صاحب، مولانا عبد الحنان صاحب کو میں نے دعوت دی کہ چند اہم امور حاضرہ کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔ مہربانی فرماکر فلاں وقت پر یہاں تشریف لائیے۔ حضرات موصوفین دیوبند تشریف لائے اور جب امور مقصودہ پر گفتگو سے فارغ ہوئے تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مجھ کو اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور مولانا عبد الحنان صاحب کو چونکہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب سے جمعیۃ علمائے اسلام سے متعلق اور بعض غلط فہمیوں سے متعلق گفتگو کرنی ہے تو میں نے جمعیۃ کی اس میٹنگ کے موقع کو مناسب سمجھ کر مولانا محترم کی خدمت میں یہ اطلاع دی ہے میری خواہش یہ ہے کہ آپ بزرگان عظام بھی مولانا سے ملاقات فرمالیں۔ مولانا کی بیماری کے سلسلہ میں عیادت بھی ہوجائیگی اور ہماری عرض معروض بھی سب کی موجودگی میں ہوجائیگی یہ سن کر حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب (اور راقم الحروف)، نے خندہ پیشانی سے اس کو قبول فرمایا۔

چنانچہ یہ سب حضرات مع راقم الحروف مولانا کے دولتخانہ پر حاضر ہوئے۔ مولانائے موصوف سے نہ کسی قسم کا مناظرہ اور مجادلہ مقصود تھا اور نہ ان پر ہجوم کرکے ہمخیال بنانے کا ارادہ تھا۔ مولانا نے ہمارے پہونچنے پر دوسرے حضرات سے مکان کو خالی کرکے اور بیرونی دروازہ بند کرواکے ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا۔ درمیان گفتگو میں جب صادق حسین صاحب

مولانا کے پاس باہر سے تشریف لائے اور بیرونی دروازہ کھٹکھٹایا تو مولانا نے ان کو دروازہ کھلواکر اندر داخل کرکے بالاخانہ پر بھیجدیا اور خصوصی طور پر جماعت سے گفتگو فرماتے رہے۔

مولانا کے اس طرز عمل نے ہم لوگوں پر یہ بخوبی واضح کردیا کہ مولانائے موصوف اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس فرمارہے ہیں کہ ہماری یہ مجلس محض ایک نجی مجلس ہے جو باہمی تعلقات کے زیر اثر تجویز ہوئی ہے اس کا پبلک یا پریس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہرحال نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ تمام گفتگو جاری رہی۔ اس مجلس میں نہ مسطورہ بالا حضرات کے علاوہ کوئی غیر شخص موجود تھا اور نہ گفتگو قلمبند ہوئی اور کچھ عرصہ کی گفتگو کے بعد مجمع واپس ہوا۔

مولانائے موصوف کے خصوصی نیازمند مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا المفتی عتیق احمد صاحب مسائل حاضرہ پر مولانا سے زیادہ دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ درمیان میں کبھی کبھی مولانا احمد سعید صاحب وغیرہ نے بھی حصہ لیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس گفتگو میں مختلف امور کا تذکرہ آیا مگر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ۔ باتیں ہوتی رہیں جن میں نہ کوئی مناظرانہ طرز تھا نہ اثر ڈالنے اور دبانے کا کوئی پہلو تھا۔ نہ کسی ادب و احترام میں کوئی کوتاہی تھی۔ تمام طریقہ احباب کی دوستانہ اور خصوصی گفتگو کا تھا اور ہر امر میں پرائیویٹ ابحاث کی شان تھی اور یہی وجہ ہوئی کہ اس تمام گفتگو یا اس کے کچھ حصہ کو جمعیۃ کے کسی رکن نے نہ کسی اخبار، رسالہ، یا اشتہار میں شائع کیا نہ دوسرے احباب سے تذکرہ کیا۔ مگر خودغرض چالاک لوگوں نے نہ معلوم مولانا کو کیا سمجھایا اور کس قسم کا پروپیگنڈا کیا کہ کچھ عرصہ بعد یہ رسالہ "مکالمۃ الصدرین" شائع کردیا گیا۔ جس میں نہ فریقین کے دستخط ہیں نہ فریق ثانی (اراکین جمعیۃ) کو کوئی خبر دی گئی نہ ان میں سے کسی سے تصدیق کرائی گئی۔ خود مولانا موصوف کے دستخط بھی نہیں ہیں بلکہ مولوی طاہر صاحب کے دستخط ہیں جو کہ اثنائے گفتگو میں موجود تک نہ تھے۔ خود مولوی طاہر صاحب آخر میں بہ عنوان "ضروری گذارش" فرماتے ہیں:۔

"جو مکالمہ اوپر درج ہوا اس میں سب اجزاء آگئے کوئی ایک آدھ جز چھوٹ

گیا ہو تو جدا بات ہے! ترتیب کلام میں تقدیم و تاخیر بھی ممکن ہے! کیونکہ جس وقت مکالمہ ہو رہا تھا بروقت منضبط نہیں ہوا لیکن گفتگو کا ملحض اور ضروری لب لباب جہانتک ممکن تھا لے لیا گیا علامہ عثمانی نے جس طرح گفتگو نقل فرمائی اسی طرح قلمبند کرلی گئی اور مزید احتیاط یہ کی گئی کہ مسودہ صاف کرکے حضرت علامہ کو دکھلا لیا گیا حضرت علامہ نے کہیں کہیں اس میں ترمیم و اصلاح بھی فرمائی - لہذا یہ مکالمہ حضرت علامہ کا مصدقہ مکالمہ ہے جو بغرض افادۂ عوام شائع کیا جا رہا ہے۔"

نیز ابتدا میں صفحہ ۴ پر بعنوان "پیش لفظ" فرماتے ہیں!

"حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیۃ علماء کے درمیان گفت و شنید کو احقر نے قلمبند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں قوسین میں عبارت کا اضافہ کر دیا تاکہ مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔ احقر نے مزید احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ تمام مکالمہ قلمبند کرکے حرفاً حرفاً دکھلایا اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ فرما دیا۔

اب یہ کہنا درست ہے کہ یہ مکالمہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا مصدقہ ہے"

مذکورہ بالا ہر دو عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مکالمہ مذکورہ مولوی طاہر صاحب ہی کا اثر خامہ اور ان ہی کے فہم و خیالات کا نتیجہ ہے اور ہماری باہمی گفتگو کو صرف ان خیالات و انکار کا حیلہ بنایا گیا اور اسی لئے حقیقت سے دور اور کذب و افترا کا مجموعہ ہے۔

مولانا طاہر صاحب لیگ کے خصوصی در کر اور عہدہ دار ہیں اور ان تمام خصوصیتوں اور کمالات کے مالک ہیں جو کہ لیگی حضرات کے طرۂ امتیاز ہیں۔ اُن کو فن پروپیگنڈہ میں بھی وہ خصوصی مہارت حاصل ہے جو کہ بڑے سے بڑے گرگ باراں دیدہ لیگی کو بھی حاصل نہیں اگرچہ وہ اس وقت مولانائے عثمانی کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں مگر جہانتک ہم کو علم ہے

وہ اس سے پہلے اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر مولانا کے بدترین دشمن تھے اور مولانا موصوف کی ذات کو اسی طرح ہدف طعن وتشنیع بناتے رہے ہیں جس طرح جمعیۃ علماء کے ارکان اُنکے تیر ونشتر کا شکار ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کن اغراض ومقاصد کے ماتحت اور کن اثرات کے زیر سایہ آج مولانا کے ہمنوا اور ہم نوالہ وہم پیالہ بنگئے ہیں! بہر حال یہ تمام تحریر موصوف ہی کے عزائم وخیالات کا آئینہ ہے اور مولانا شبیر احمد صاحب کی طرف منسوب کرکے مولانائے موصوف اپنا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔

اگر واقع میں یہ تمام تحریر مولانا شبیر احمد صاحب کی مصدقہ تھی تو مولانا نے اس پر دستخط کیوں نہ فرمائے اور اگر اس میں صداقت اور واقعیت تھی تو قبل اشاعت جمعیۃ کو دکھلایا کیوں نہیں گیا اور ان سے دستخط کیوں نہیں کرائے گئے۔ کیا اخلاق اسلامی کی رو سے یہ تحریر فریقین کے صحیح مکالمہ پر حجت ہو سکتی ہے؟ کیا دنیا کا قانون اور مہذب اقوام کا معمول یہی ہے۔ کیا یہ وہی لیگی نجس پروپیگنڈا نہیں ہے جس میں ہر ناجائز سے ناجائز کارروائی نہ صرف مباح بلکہ فرض اور واجب بھی ہے۔ تعجب ہے کہ خود غرض یورپ بھی اس قسم کی کارروائی جائز نہیں سمجھتا اور دو شخصوں یا دو جماعتوں کی پرائیویٹ گفتگو میں یا تحریریں بغیر ہر دو کے دستخطوں یا کم از کم اجازت اور علم کے نہ شائع کرنا جائز سمجھتا ہے نہ قابل اعتبار جانتا ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ تنہائی اور بند کمرہ میں ہوئی ہوں۔ اس لئے ہم انگشت بدنداں ہیں کہ اگر مولوی طاہر صاحب نے اس اقدام کی بے جا جسارت کی بھی تھی تو حضرت مولانا شبیر احمد نے کیوں اس خلاف دیانت واخلاق تحریر کی اشاعت کی اجازت دی۔

بالخصوص جبکہ اس کو "مکالمۃ الصدرین" کا لقب دیا گیا تھا تو کم از کم اس کو صدر جمعیۃ علماء ہند کے علم اور دستخط سے تو شائع ہونا ضروری تھا۔

پس اہل فہم اس سے اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب ۔۔۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

پھر یہ بھی اقرار ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے اور یہ بھی اقرار ہے کہ ممکن ہے کہ اس میں ایک دو جملے رہ گئے ہوں! اور یہ بھی اقرار ہے کہ مذکورہ تحریر خلاصہ اور لب لباب اس تمام مکالمہ کا ہے! ناظرین غور فرمائیں کہ جبکہ یہ تحریر امور مذکورہ بالا سے خالی نہیں ہے اور پھر خلاصہ اور لب لباب بھی مکالمہ کا ہے تو یہ خلاصہ اور لب لباب کرنے والے بزرگ کون ہیں! اور جنھوں نے خلاصہ اور لب لباب بنایا ہے انھوں نے اس میں اپنے دماغ کو کہاں تک جگہ دی ہوگی۔ پھر یہ عینی مکالمہ کہاں رہا اور اس پر مباہلہ کی جرأت کے کیا معنی ہیں اور اگر غور کرکے دیکھیں تو جبکہ مکالمہ سوا تین گھنٹہ تک جاری رہا۔ جیساکہ صفحہ ۳ پر درج ہے۔

"وہ معرکۃ الآرا گفت و شنید جو یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو حالات حاضرہ پر بمقام دیوبند جانشین شیخ الہند، امام المفسرین حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی صدر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام اور وفد اکابر جمعیۃ علماء ہند کے درمیان تقریباً سوا تین گھنٹہ جاری رہا......"

تو اس قدر طویل مکالمہ کو جو رسالہ مذکور میں لکھا گیا ہے اور چھ صفحے سے ۱۷ صفحے تک میں ختم کردیا گیا ہے اور جس میں جگہ جگہ مرتب صاحب کے نوٹ بھی بڑھائے گئے ہیں جن کا مجموعہ بھی تقریباً دو صفحہ ہوگا کیسے اصل مکالمہ اور مکالمہ کی حقیقی تصویر کہا جاسکتا ہے؟ کیونکہ زیر بحث مکالمہ تو زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ یا گھنٹہ بھر کے اندر بآسانی ہوسکتا ہے؟

پس ظاہر ہے کہ اس میں انتہائی کتر بیونت اور قطع و برید کرکے اس کو مسخ کرکے گیارہ صفحوں میں درج کردیا گیا ہے؟

تو اب سوال یہ ہے کہ اس میں سے کیا کیا مضامین اور کون کون سی عبارتیں حذف ہوئی ہیں؟ اور ان پر کوئی روشنی کیوں نہیں ڈالی گئی۔ کیا اسکے بعد بھی اسکو عینی مکالمہ کہنا بامعنی

کی حقیقی تصویر بتلانا درست ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس پر یہ مثل صادق نہیں آتی کہ "میٹھا میٹھا غپ، اور کڑوا کڑوا تھو"!! اناللہ وانا الیہ راجعون

پھر اس پر مستزاد یہ کہ مولوی طاہر صاحب نے جن علامہ عثمانی صاحب سے اس گفتگو کو چند گھنٹوں یا چند دنوں بعد (جس کا ذکر کیا گیا) سنا اور پھر ترتیب دیا وہ بقول مولوی طاہر صاحب خود یہ اقرار فرماتے ہیں کہ مجھ کو نسیاں کی عادت ہے اور حافظہ کی کمزوری اور بیان کی طوالت کی بنا پر ترتیب بیان اور نفس بیان مجھ کو اس وقت یاد نہیں رہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"جب وہ (مولانا حفظ الرحمٰن صاحب) تقریر فرما چکے تو علامہ عثمانی صاحب نے فرمایا کہ مجھے پورے الفاظ اور اجزاء تو آپ کی لمبی چوڑی تقریر کے محفوظ نہیں رہے البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے اسکے جوابات بلالحاظ ترتیب عرض کرونگا اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلا کر مجھ سے اس کا جواب لے سکتے ہیں۔" صلے

اور پھر صفحہ ۰ پر ارشاد ہے:۔

"علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ نے کلام اس قدر طویل کر دیا ہے کہ نمبروار ہر ایک چیز کا جواب دینا مشکل ہے۔ میں جو کچھ یاد رکھ سکا ہوں اُن کے جوابات دوں گا اور اگر کسی چیز کو بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد دلا کر اس کا جواب لے لیں۔"

تو جب علامہ عثمانی کے نسیاں کی یہ حالت ہے کہ مجلس کلام و گفتگو ہی میں تمام گفتگو یاد نہیں رہی اور نہ ترتیب مضمون کا پتہ رہا تو مجلس گذر جانے اور چند گھنٹے یا چند ایام کے حائل ہونیکے بعد ان کو کس قدر یاد رہا ہوگا؟ ایسی صورت میں یہ مکالمۃ الصدرین کس طرح صحیح مکالمہ کہلانے اور فریق ثانی پر حجت ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ کیا یہ صریح دجل اور فریب نہیں ہے؟

اور پھر ان حضرت مرتب کی ڈھٹائی کو ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں یہ عذر ہے کہ خلاصہ اور

لب لباب ذکر کیا گیا ہے مگر یہ عذر اسلئے بالکل بے سود ہے کہ خلاصہ نکالنا اور ذکر کرنا حافظہ اور فہم اور رائے پر مبنی ہے۔ جن کی صداقت خود محل بحث ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ مولوی طاہر صاحب نے حضرت علامہ کی تقریر کو بھی لفظ بلفظ قلمبند نہیں کیا اور مولانا کے حافظہ کی کمزوری کے باوجود اپنے خیال کے مطابق اس کو ترتیب دے کر پیش کیا ہے جو کسی صاحب دیانت کے نزدیک نہ مکالمۃ الصدرین کہلانے کے لائق ہے اور نہ فریق ثانی پر حجۃ بننے کے لائق !!

اس سے بڑھ کر اس میں دجل و فریب یہ کیا گیا ہے کہ اس کا نام مکالمۃ الصدرین رکھا گیا جس کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ اس میں تمام گفتگو ہر دو جمعیتوں کے دونوں صدروں یعنی حضرت علامہ عثمانی صدر جمعیۃ علماء اسلام اور حسین احمد صدر جمعیۃ علماء ہند کی ذکر کی گئی ہے اور یہ رسالہ حسین احمد کی شکست اور اس کے عاجز ہو جانے اور اس کے اصول سے انحراف اور ذاتیات پر اترنے کی رجسٹری ہے۔ حالانکہ اس سوا تین گھنٹہ کی گفتگو میں خود اقرار کیا جاتا ہے ! (دیکھو صلا)

"آخر مجلس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا۔"

صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں

"آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا۔"

ناظرین غور فرمائیں کہ سوا تین گھنٹہ کی گفتگو میں جس شخص کا حصہ صرف دس پندرہ منٹ یا آٹھ دس منٹ تک ہی رہا ہو اس کی طرف اس گفتگو کو نسبت کرنا اور وہ بھی بصیغۂ مکالمۃ (باب مفاعلۃ) میں دھوکہ دہی اور افتراء پردازی نہیں تو اور کیا ہے۔

نیز یہ کہ حضرت مولانا عثمانی صاحب اس وقت تک صدر جمعیۃ علماء اسلام ہی نہیں بنے تھے۔ جیسا کہ تحریر کیا گیا ہے صلا پر"

"علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے ابھی صدارت کے قبول اور عدم قبول
کی نسبت کوئی باضابطہ فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن کل کے لئے کچھ نہیں کہہ
سکتا کہ کیا کروں گا۔ (نوٹ) لیکن اس کے بعد علامہ عثمانی نے کل ہند
جمعیۃ العلماء اسلام کے ناظم کے تار کے جواب میں باضابطہ صدارت
کی منظوری کا تار روانہ فرمادیا ہے۔ فللہ الحمد" مرتب

پھر اس وقت کی گفتگو کو "مکالمۃ الصدرین" کہنا کس طرح دیانتداری کہا جاسکتا
ہے۔ بہر حال مرتب صاحب نے مسلمانوں کو دجل و فریب میں ڈالنے کے عجیب
عجیب پہلو اختیار فرمائے ہیں۔ اگرچہ موصوف کی زندگی میں یہ واقعہ کوئی نادر واقعہ
نہیں ہے لیسٹ باول قادورۃ کسرت فی الاسلام بلکہ یہ موصوف کے بائیں ہاتھ کا
کھیل ہے اگر صداقت اور حقیقت پژوہی ہوتی تو چاہئے تھا کہ ایسا نام تجویز کیا جاتا۔
جس سے مکالمہ وفد جمعیۃ علماء ہند یا حضرت علامہ عثمانی کا اظہار ہوتا مگر ایسا کیا جاتا
تو تلبیس کس طرح ہوتی جو اس جماعت (لیگ) کا آئے دن کا طریق کار ہے۔

مکالمۃ الصدرین کا پہلا کھلا ہوا جھوٹ

تمام عدالتوں اور قوانین کا مسلمہ اصول ہے کہ اگر کسی دستاویز یا تمسک اور تحریر میں
ایک جھوٹ بھی قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے تو پوری دستاویز اور تمسک اور تحریر
ساقط الاعتبار اور جعلی قرار دیدی جاتی ہے اور مالک تمسک کو جعلساز اور مجرم قرار
دیکر مستحق سزا سمجھتے ہیں۔ یہی نہیں کہ جھوٹ کا قطعی ثبوت ہی اس کا باعث ہوتا ہے
بلکہ اگر اشتباہ بھی کسی تمسک وغیرہ میں پڑ جاتا ہے تو تمام تمسک مشتبہ ہو جاتا ہے۔
رسالہ مکالمۃ الصدرین میں پہلا کھلا ہوا ظاہر و باہر ایسا جھوٹ کہ جس کے جھوٹ
اور دروغ ہونے میں کسی غور و فکر اور استدلال اور ردوقدح کی ضرورت نہیں ہے
جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کے متعلق چالیس اور بیس کا عدد ہے جسکو مکالمہ میں

بالکل افترا پردازی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے - صفہ۱ پر بیان فرماتے ہیں -

"اب آپ اپنے فارمولے پر نظر ڈالئے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے تو آپ کے فارمولا کی رو سے مرکز میں چالیس مسلمان ہوں گے اور چالیس ہندو اور بیس فیصدی میں دوسری اقلیتیں ہوں گی - اس طرح سے آپ کے فارمولا کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فیصدی اور مسلمانوں کی تعداد چالیس فیصدی ہوئی -

یہ ایسا جھوٹ اور افترا ہے کہ اس کا وجود کہیں ہے ہی نہیں - جمعیۃ اور مسلم مجلس کے فارمولے میں جو کہ ورکنگ کمیٹی ۱۹۴۴ء اور مسلم مجلس کے اجلاس اکتوبر ۱۹۴۴ء اور اجلاس سالانہ جمعیۃ علماء سہارنپور ۴۵ء وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے - ۴۵ فیصدی مسلمان اور ۴۵ فی صدی ہندو اور دس فیصدی اقلیتیں ہیں - کہیں وہ عدد مذکور نہیں جو مرتب مکالمہ ذکر فرما رہے ہیں اور اسی بناء پر یہ الزام دے رہے ہیں کہ پاکستان کا فارمولا تمہارے فارمولے سے بہتر ہے - صفحہ ۱۰ پر زیر عنوان " حضرت علامہ کا مسکت وحقیقت افروز جواب اور وفد جمعیۃ علماء کی لاجوابی " مذکورہ بالا عبارت جمعیۃ کے فارمولا کی ذکر فرما کر فرماتے ہیں

"اور مسلم لیگ کے پاکستانی فارمولا میں (بقول آپ کے یہی نسبت علی العکس رہیگی یعنی) ساٹھ فیصدی مسلمان اور چالیس فیصدی غیر مسلم ہوں گے - اب آپ ہی فرمائیے کہ آپ کے اس فارمولا سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا - ہم اگر ساٹھ فی صدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے تو چالیس فی صدی کیا کر سکینگے "

پھر فرماتے ہیں :-

اس موقعہ پر کہا گیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا فارمولہ سامنے آتا ہے تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کئے جاتے ہیں اور جب جمعیۃ علماء ہند کا مقدس فارمولا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کے سائڈ میں شمار کئے جانے لگتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ غیر مسلم بہر صورت سب کے سب ایک ہی شمار ہوں گے (الکفر ملۃ واحدۃ) اور خالص مسلمانوں کو ان کے مقابل رکھ کر مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔!"

یہ تمام لنترانی اور اظہار غالبیت اسی پر مبنی ہے کہ جمعیۃ کا فارمولا یہ تراشا گیا کہ چالیس مسلمان، چالیس ہندو اور بیس اقلیتیں ہونگی اور یہ کہ غیر مسلم اقلیتیں ہمیشہ سب کی سب ہندوؤں کے ساتھ رہینگی۔

اللہ اللہ اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیے کہ وہ چیز جو کہ جمعیۃ کے کسی ریکارڈ میں موجود نہیں ہے وہ اس پر قصداً تھو پی جاتی ہے اور اس پر اپنی فتحمندی کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہم حضرت مرتب صاحب اور حضرت عثمانی صاحب اور ان کے تمام ذریات و معاونین کو ببانگ دھل چیلنج دیتے ہیں کہ وہ کہیں سے ثابت کریں اور دکھلائیں کہ جمعیۃ کے فارمولا میں یہ اعداد کہاں ہیں اور اگر نہ دکھلا سکیں تو کم از کم دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ وعید (فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار الآیۃ) کو پیش نظر رکھیں اور اعلان فرمائیں کہ مکالمہ جھوٹا دفتر ہے اور اس کی بنیاد کسی حقیقی مکالمہ پر نہیں بلکہ اپنی مزعومہ اور اختراعی کذب بیانیوں پر ہے۔

باقی امر ثانی یعنی تمام غیر مسلموں کا مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ متفق ہو جانا جنمیں عیسائی سکھ پارسی اچھوت وغیرہ ہوں گے اگرچہ عقلاً ممکن ہے، مگر عادتاً اور واقعات

کے یقیناً خلاف ہے خود بنگال اور پنجاب کے واقعات کو جو کہ سالہا سال سے پیش آرہے ہیں ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح عیسائی اور دوسری اقلیتیں سلمانوں کے ساتھ ہو کر دوسری جماعتوں بالخصوص کانگریس پارٹی کے خلاف رہا کرتی ہیں۔

ہاں اگر آئندہ مسلمان مردہ ہی ہو جائیں اور سیاسی پارٹیوں کے توڑ جوڑ اور کامیابی کے میدان میں جدوجہد سے بالکل عاجز ہوں تو دوسری بات ہے لیکن زمانہ ہائے ماضیہ میں تاریخ اسکے برخلاف ہے۔ سیاسیات کا مدار صرف حکمت اور عقل پر نہیں بلکہ تاریخ پر (جس سے فطرت انسانی کا پتہ چلتا ہے) بھی بہت کچھ مدار ہے۔ ہم اسکو اگر مان بھی لیں اور یہ امر خلاف عادت قابل وقوع بلکہ واقع بھی کہدیں تب بھی جمعیۃ کے فارمولے کے مطابق ۵۵ - غیر مسلم اور ۴۵ مسلمان کا فرق ہوتا ہے۔ مگر مکالمہ میں جس امر پر اظہار فتحمندی کیا گیا ہے وہ تو بالکل غلط اور خانہ زاد ہے۔ ایسی بجز لغو اور غیر واقعی بات اگر وقوع میں بھی آتی تو یقیناً جمعیۃ کے اراکین کو ساکت اور لاجواب ہی ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ "جواب جاہلاں باشد خموشی" کی حیثیت سے اس موقع پر لب کشائی ہونی ہی نہ چاہئے پھر مکالمہ میں دعویٰ کہ "وفد جمعیۃ العلماء نے آخر کار اسکو تسلیم کر لیا" افترا بر افتراء اور دروغ بر دروغ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟!

دوسرا کھلا ہوا جھوٹ اس ایک کھلے ہوئے جھوٹ کے ذکر کرنے کے بعد ہم کو ضروری نہیں تھا کہ اور دوسرے اکاذیب بھی ناظرین کو دکھلائیں کیونکہ حسب قاعدہ ایک ہی دروغ تمام دستاویز کے جعلی اور اکذوبہ ہونے کے لئے کافی ہے مگر ہم چند ایسے ہی کھلے ہوئے افتراءات اور بھی ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مصنف مکالمہ کی دیانتداری اور سچائی مثل آفتاب روشن ہو جائے۔ مکالمہ میں صفحہ ۹ و ۱۰ پر فرماتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد سلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی اور غیر مسلم تین کروڑ ہونگے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں لیکن ہم سات کروڑ۔

تسلیم کئے لیتے ہیں اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں ان کو پورے تین کروڑ تسلیم کر لیا جائے۔ اس تعداد سے سات اور تین کی نسبت مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ہوگی اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہوگی یعنی مسلمان ساٹھ فیصدی اور غیر مسلم چالیس فیصدی ہونگے۔ حالانکہ اس صورت میں مسلمان واقعۃً ستر فیصدی اور غیر مسلم تیس فیصدی ہوتے ہیں"

پھر صفحہ ۱ پر زیر عنوان "وفد جمعیۃ علماء کی لاجوابی" ارشاد ہوتا ہے۔

"حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستر فیصدی اور تیس فیصدی کا ہوتا ہے"

علاوہ ازیں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا عثمانی کے درمیان پاکستان سے متعلق اعداد و شمار کا یہ حوالہ واقعہ کے خلاف اور توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا ہے مصنف مکالمہ کلیہ دعوی بھی کہ "پاکستان میں مسلمانوں کی تعداد سوا سات کروڑ ہے اور غیر مسلموں کی تعداد تین کروڑ ہے" بالکل جھوٹ اور غلط ہے اور اس قسم کے سیاسی مسائل سے ناواقفیت اور جہالت کی دلیل ہے اسکے لئے کسی شہادت اور کسی تصدیق کی ضرورت نہیں بلکہ سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی تعداد اور تفصیل گورنمنٹ کی طرف سے شائع شدہ موجود ہے۔ اسکو ملاحظہ فرمالیجئے اور مکالمہ کی سچائی یا افتراء پردازی کی داد کتاب اسینس آف انڈیا سنہ ۱۹۴۱ء صفحہ ۹۸ و ۹۹ حصہ اول جلد اول مرتبہ ایم ڈبلیو ایم یائیس ۔ سی آئی اے آئی سی ایس سینس کمشنر آف انڈیا میں حسب ذیل تفصیل ہے:۔

صوبہ	مسلم آبادی	غیر مسلم آبادی	مجموعۂ آبادی
پنجاب	۱،۶۲،۱۷،۲۴۲ کروڑ	۱،۲۲،۰۱،۵۷۷ کروڑ	۲،۸۴،۱۸،۸۱۹ کروڑ
بنگال	۳،۳۰،۰۵،۴۳۴ "	۲،۷۳،۰۱،۰۹۱ "	۶،۰۳،۰۶،۵۲۵ "
سندھ	۳۲،۰۸،۳۲۵ لاکھ	۱۳،۲۶،۶۸۳ لاکھ	۴۵،۳۵،۰۰۸ لاکھ
سرحد	۲۷،۸۸،۷۹۷ "	۲،۴۹،۲۷۰ "	۳۰،۳۸،۰۶۷ "

صوبہ	مسلم آبادی	غیرمسلم آبادی	مجموعہ آبادی
بلوچستان	۴،۳۸،۹۳۰ لاکھ	۶۲،۷۰۱ ہزار	۵،۰۱،۶۳۱ لاکھ
آسام	۳۴،۴۲،۴۷۹ "	۶۷،۶۲،۲۵۴ لاکھ	۱،۰۲،۰۴،۷۳۳ کروڑ
میزان	۵،۹۱،۰۱،۲۰۷ کروڑ	۴،۷۹،۰۳،۵۷۶ کروڑ	۱۰،۷۰،۰۴،۷۸۳ کروڑ

یہی اعداد و شمار ڈیلی گیشن مشن نے عالمین اور چودھری رحم علی ہاشمی نے بھی ۱۹۴۲ء میں شائع کئے ہیں۔

اب غور فرمائیے کہ تمام پاکستانی صوبوں کے مسلمانوں کے اعداد چھ کروڑ بھی نہیں ہوتے مگر مصنف مکالمہ سوا سات کروڑ قرار دے کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالتا ہے مسلمانان پاکستان کی چھ صوبوں میں کل تعداد پانچ کروڑ اکیانوے لاکھ ایک ہزار دو سو سات ہوتی ہے۔ جس کو دروغ گوئی سے مرتب مکالمہ سوا سات کروڑ قرار دیتا ہے نیز غیر مسلموں کی تعداد ان تمام صوبوں میں "چار کروڑ اناسی لاکھ تین ہزار، پانچسو چھیتر" ہوتی ہے مگر مصنف مکالمہ تین کروڑ سے بھی کم بتلاتا ہے۔ فرق ایک دو، یا دس بیس، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ کا نہیں بلکہ کروڑوں کا ہے۔ اتنے عظیم الشان فرق سے نسبتوں میں کس قدر فرق واقع ہوگا ظاہر ہے۔

تمام پاکستان میں مسلمان فی صدی ۵۵، اعشاریہ ۵، تقریباً ہیں اور غیر مسلم تقریباً ۴۴ اعشاریہ ۵ ہوتے ہیں۔ مگر مرتب مکالمہ مسلمانوں کا عدد ستر فیصدی اور غیر مسلموں کا تیس فیصدی قرار دیتا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اس کھلی ہوئی دروغ بافی اور دجل و فریب یا جہالت و نادانی پر فتحمندی کی بغلیں بجانا اور حضرت علامہ کا مسکت و حقیقت افروز جواب اور وفد جمعیۃ علماء کی لاجوابی کی سرخی قائم کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور یہ کہنا کہ غالباً یہ حضرات یہ سمجھ کر آئے تھے کہ

علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات کم ہوں گی تو ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو متاثر کر دینگے۔ شرعی حیثیت سے گفتگو کو تو مولانا حفظ الرحمن صاحب پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اس پر ہم آپ سے کیا بحث کرتے لیکن اس معاملہ پر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی ہوگی کہ علامہ عثمانی کی معلومات شرعیہ جہاں بے پناہ ہیں وہاں سیاسی مذاقت بھی کچھ اس سے کم نہیں! یہ حقیقت ہے کہ علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کو اپنی گفتگو میں اس طرح منقح کیا کہ جو لوگ سیاسی ہیں جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں تو وہ خود بھی تنقیح مسئلہ کے اس انداز پر عش عش کرتے ہیں۔" انتہائی جسارت اور ڈھٹائی ہے اگر مولانا عثمانی کو جمعیۃ کے فارمولا کا علم نہیں ہے یا علم ہے مگر دیدہ دانستہ اس میں تحریف کر کے پاکستان کی ترجیحی تقریر فرمائی ہے اور علی ہذا القیاس پاکستان کی مسلم اور غیر مسلم آبادی کا علم نہیں ہے۔ یا اگر ہے تو دیدہ دانستہ غلط بیانی فرماتے ہیں۔ ان سے ان کی سیاست دانی، قابلیت اور نیک نیتی پر جو اثر پڑتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے ایسی غلط اور شرمناک کارروائی کے بعد مرتب مکالمہ کی فہمندی کی حقیقت کا پول اس قدر کھل جاتا ہے کہ ادنیٰ ترین عقل والا انسان بھی ان لوگوں کی بد دیانتی اور دجل پر (اگر قصداً ہو) اور جہالت و نادانی پر (اگر بلا قصد ہو) افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ رسالہ میں بڑا زور پاکستان کی کامیابی کا اسی بحث پر ہے جس کی حقیقت کالشمس فی رابعۃ النہار ظاہر ہو گئی۔

ان امور کے واضح ہو جانے کے بعد تحریر مکالمہ کے قابل اعتبار ہونے کا کچا چٹھا کھل جاتا ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ رسالہ اکذوبات کا طومار ہے اور اس پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے۔

بر سبیل تذکرہ یہ کہدینا بھی نامناسب نہیں ہے کہ چونکہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اور مولانا حفظ الرحمن صاحب کے درمیان رشتۂ استاذی و شاگردی ہے تو

بہ طور خاکساری و تواضع مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا یہ کہنا کہ وہ مذہبی معاملات میں حضرت مولانا سے کیا گفتگو کریں تعجب خیز نہ تھا۔ ورنہ اسلامی تاریخ اساتذہ اور ان کے تلامذہ کے درمیان مذہبی معرکۃ الآراء مذاکروں سے بھری پڑی ہے۔ لیکن اس مقام پر یہ جملہ اور مقولہ بھی سر تا سر جھوٹ اور غلط اور خلاف واقعہ ہے اور محض فریق ثانی کی حق پژوہی کی وقعت کو گھٹانے کے لئے نمایاں کیا گیا ہے۔ ورنہ ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جس محفل میں حضرت العلامہ مفتی کفایت اللہ صاحب جیسی عظیم شخصیت موجود ہو، وہاں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا "ہم" کہہ کر جمع کا صیغہ بولنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اور وہ ایسا کہنے کی جراءت کیسے کر سکتے تھے۔

ہمارے نزدیک اس کے بعد کوئی ضرورت نہ تھی کہ ہم تفصیلات میں جائیں بالخصوص رسالہ کی تطویل کے خوف سے ہم کو لازم تھا کہ مذکورہ امور ہی پر اکتفا کریں۔ تاہم کچھ مختصر روشنی تفصیلات پر بھی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے سیدھے سادے لوگ دوسرے امور میں بھی الجھ رہے ہیں۔ صفحہ ۲ پر فرمایا جاتا ہے:۔

"اس گفت و شنید کا سلسلہ سوا تین گھنٹہ مسلسل جاری رہا۔ اس مکالمہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب لیتے رہے اور دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب ان کے شریک کار رہے۔ کبھی کبھی اور صاحب بھی کچھ بول پڑتے تھے"۔

مولانا المفتی عتیق الرحمٰن صاحب برادر زادہ حضرت مولانا عثمانی کے متعلق مکالمہ صفحہ ۵ میں مذکور ہے:۔

"مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ اس گفتگو میں میرے ساتھ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (ناظم ندوۃ المصنفین دہلی، برادر زادہ علامہ عثمانی) اور کوئی تیسرے صاحب جو مناسب ہوں شریک ہوں گے"۔

اور صلا میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تحریر میں حسب ذیل الفاظ ہیں۔

"اب یہ مناسب سمجھا کہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور میں جمعرات کو شب میں پہنچیں اور جمعہ کے دن گذارشات پیش کریں"

مذکورہ بالا تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ہی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے شریک کار تھے۔ گفتگو میں دوسرا نمبر ان کا ہی تھا۔ مولانا احمد سعید صاحب شریک کار نہ تھے بلکہ حسب اتفاق ان کو ساتھ لیا گیا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے بحث میں حصہ لیا اور بہت لیا۔ انھوں نے مولانا عثمانی سے یہ بھی فرمایا کہ آپ تو گوشہ نشین تھے کسی تحریک میں حصہ نہ لیتے تھے آپ کو کس چیز نے مجبور کیا کہ آج آپ تحریریں شائع فرماتے ہیں۔ شہروں میں تقریریں کرتے جاتے ہیں؟ مولانا عثمانی نے فرمایا کہ میں پاکستان کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان ایام میں بہت سے ضروری اور مفید مسائل مسلمانوں کے متعلق پیش آتے رہے۔ مگر شدید سے شدید ضرورت میں بھی آپ زاویہ سے باہر نہیں نکلے آج کون سی شدید ضرورت ایسی پیش آگئی جو کہ آپ کو در بدر لئے پھرتی ہے؟ ابھی قریبی زمانہ میں مجھ کو آپ سے گفتگو کرنے کی نوبت آئی تھی اور پاکستان کا مسئلہ بھی سامنے آچکا تھا تو آپ نے مولانا آزاد سبحانی پر عدم اعتماد کا اظہار فرمایا تھا اور ذکر کیا تھا کہ جو تحریر آپ سے مانگی تھی آپ اس کے دینے پر رضامند نہ ہوئے تھے۔ مولانا عثمانی نے اس پر سکوت فرمایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بہت زیادہ گفتگو فرماتے رہے تو دوسرا مرتبہ گفتگو میں صرف ان کو دینا چاہئے تھا۔ مولانا احمد سعید صاحب تو حسب تصریحات بالا مقصود بالمکالمۃ نہ تھے اور نہ خود انہوں نے ابحاث اٹھائیں۔ نیز حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی گفتگو کا بیشتر حصہ باہمی غلط فہمیوں کے ازالہ پر مبنی تھا اور اسلئے تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی گفتگو کے آغاز و اختتام کے اکثر حصوں میں بار بار یہ شکوہ ہوتا تھا کہ گفتگو کرنے والی جماعت

نے عرصہ سے مجھ کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ پس اگر میں نے کوئی دوسری راہ اختیار
کرلی ہے تو آپ مجھے کیوں اپنا سمجھ کر تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ میں تو آپ کے لئے
ایک اچھوت ہو چکا تھا۔

چونکہ یہ گفتگو صاف ظاہر کرتی تھی کہ مولانا کا جدید اقدام غصہ اور جماعت سے
ناراضی پر مبنی ہے۔ اسلئے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے مولانا احمد سعید صاحب
کچھ بولے۔

غرض مولانا احمد سعید صاحب نے سیاسی امور میں برائے نام حصہ لیا۔ ورنہ وہ اس غرض
کیلئے تشریف ہی نہیں لے گئے تھے پھر یہ کس قدر غلط کارروائی ہے کہ مفتی عتیق صاحب کا تذکرہ بھی نہیں
کیا گیا اور نہ ان کو دوسرا نمبر دیا گیا اور ایک دوسرے شخص غیر مقصود کو دوسرا نمبر دیا گیا۔

(ب) گفتگو میں جب کہ سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا تھا تو اس کتاب کو مکالمۃ
الصدرین کہنا کیا دجل اور فریب نہیں ہے؟ خصوصاً جبکہ کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی اور صاحب بھی
کچھ بول پڑتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوروں کا بولنا اقل قلیل اور ضمنی تھا۔ ص۱۲ میں
اس عبارت کے بعد فرمایا گیا ہے۔

"لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت
فرمایا وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا۔ کسی موقع پر بھی ایک حرف نہیں بولے۔
علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی۔ وہ بحث میں حصہ تو کیا لیتے
اشارۃً کنایۃً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح بھی اظہار خیال نہیں فرمایا۔"

یہ صحیح ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس گفتگو میں قطعاً حصہ نہیں لیا۔ کیوں نہیں لیا وجہ صاف
ظاہر ہے انھوں نے اسلئے حصہ نہیں لیا کہ اولاً وہ اس غرض سے تشریف ہی نہیں لے گئے تھے۔ ثانیاً
جب انھوں نے یہ دیکھا کہ گفتگو کی روح ذاتی شکایات اور دوسرے معاملات سے متعلق ذاتی غم و
غصہ پر مبنی ہے اور اس وجہ سے بحث میں جگہ جگہ وہی جذبہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے اور تحقیق حق کو غلط طریقوں

سے الجھایا جا رہا ہے تو یقیناً اُن صورتوں میں جو کہ مکالمۃ میں مذکور ہیں مفتی صاحب کو بولنا ہی نہیں چاہئے تھا۔

جب کہ گفتگو دھاندلی پر مبنی ہو اور غیر صحیح واقعات کو بلاتحقیق مدار گفتگو قرار دے کر اس کی ترویج اس قدر کی جائے تو ایک سلیم الطبع بھاری بھر کم انسان کو سکوت ہی سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاهلین دوسری جگہ ہے واذا مروا باللغو مروا کراما ان پر عمل کرنا سمجھدار کم گو سلیم الطبع انسان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ پاکستان پر مکالمہ مذکور کی تقریر بالکل غلط، خیالی اور افترا پردازی پر مبنی ہے تاہم مفتی صاحب سے جب کسی نے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو حضرت مفتی صاحب نے جواب میں اپنی بزرگانہ شان کے مناسب مجلس سے پیدا شدہ اپنے تاثرات کو نظرانداز کر کے صرف علالت طبع کا عذر ذکر فرما دیا اور ایک نجی دوستانہ مجلس کے تاثرات کو طشت از بام کرنا مناسب خیال نہ کیا مگر بایں ہمہ مکالمہ کی دروغ بافی کے اظہار پر وہ بھی مجبور ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ عرصہ سے علیل ہیں اور بہ تقاضائے عمر اس علالت کا اثر دماغی کمزوری سے بہت زیادہ وابستہ ہے اسلئے وہ اکثر خاموش رہتے ہیں اور بہت ہی اہم ضرورت پر کسی مذاکرہ میں حصہ لیتے ہیں۔ بہرحال حضرت مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

"جناب محترم! دام مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

مکالمہ مطبوعہ پہنچا۔ میں اس سے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں اور ایک مختصر سا نوٹ انصاری میں دے چکا ہوں۔ میں بیمار تھا اسلئے بالکل خاموش رہا۔ فریقین آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ یہ تقریر مولانا عثمانی صاحب کی مرتب کی ہوئی نہیں ہے۔ نہ اس وقت لکھی گئی جلسہ کے بعد نہ معلوم کب مرتب کی گئی۔ مرتب کرنیوالا خود جلسہ میں موجود نہیں تھا۔ اس

اپنے خیال کے مطابق مرتب کی ہے۔ مولانا عثمانی نے اگر دستخط بھی کر دیئے ہوں تاہم وہ قابل اعتماد نہیں جبتک دوسرا فریق بھی دستخط نہ کرے۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب بھی اسکے متعلق ایک بیان دے چکے ہیں خلاصہ یہ کہ تحریر اس جلسہ کی صحیح اور مکمل رومداد نہیں ہے۔ مزید معلومات مولانا حفظ الرحمن صاحب سے معلوم کر سکتے ہیں۔ **محمد کفایت اللہ**"

روزنامہ انصاری دہلی مورخہ ۲۱ رمئی ۱۹۴۶ء

حضرت عثمانی صاحب کو حیرت غالباً اس وجہ سے ہوئی ہوگی کہ خود حضرت عثمانی صاحب نے جبکہ جمعیۃ کے فارمولا پر اطلاع پائی تھی تو اس کی تعریف میں نہایت زوردار کلمات تحریر فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ "مسلمانوں کے اطمینان کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی عمدہ چیز نہیں" چنانچہ یہ تحریر جمعیۃ کے ریکارڈ میں آج بھی موجود ہے۔ غالباً جب علامہ صاحب اپنی غلط بیانی پر مفتی صاحب کو ساکت وصامت دیکھتے ہیں تو دل ہی میں شرما کر حیرت کا اظہار کرتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ ع

خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید

اور خیال کرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب سمجھ گئے ہیں کہ حضرت عثمانی کا جمعیۃ علماء اسلام اور لیگ کی حمایت میں قدم اٹھانا حق پرستی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس پردہ رنگکاری میں کوئی دوسرا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ لہذا ان کا سکوت حسب قول شاعر کسی حقیقت کی دریافت کی بناء پر ہے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبری نیست کہ نیست

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانی صاحب نے اس مکالمہ کو دوسرے سے مرتب کراتے وقت فریق ثانی کو دکھلایا نہ اس کے دستخط حاصل کئے نہ ہی انکی اجازت حاصل کی حتیٰ کہ اسکو مطلع تک نہیں کیا اور طرفہ یہ کہ نہ خود اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائے!!! پھر فرمایا جاتا ہے! ص ۶

"آخر مجلس میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا۔"

ص۱۴ میں ہے۔

آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا۔ یہ مضمون ایک انگریز کی تجویز اور رائے پر مشتمل تھا جس میں اس نے ہندوستان کی سیاسیات پر بحث کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کو اس کا حل بتلایا تھا۔ اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور بمبئی کے بجائے کراچی کو تجارت کا مرکز بنایا جائے۔ گویا اس مضمون کو سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے۔"

مکالمہ میں یہ تو لکھدیا گیا لیکن اس کا یہ تتمہ چھوڑ دیا گیا کہ جب راقم الحروف نے حضرت عثمانی صاحب سے مخاطب ہو کر یہ مضمون سنایا تو حضرت عثمانی یہ سن کر قطعاً خاموش رہے اور کوئی جواب مرحمت نہ فرمایا۔ آخر اس اہم مضمون کا کوئی جواب تو دینا چاہئے تھا! جبکہ وہ پاکستان کی تجویز کو مسلم لیگ کی ایجاد کی بجائے انگریزی حکومت کے کل پرزوں کی ایجاد ظاہر کرتا ہے۔

مکالمۃ الصدرین کے نام سے موسوم اس رسالہ کے پر خود غلط جھوٹ اور افتراء کے چند نمونے ظاہر کرنے کے بعد اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کالموں کی تحریر کو اولاً ناظرین کے سامنے پیش کر دیں۔ اور پھر اس پر کچھ تبصرہ کریں۔ اخبار مدینہ بجنور ۹ اگست سنہ ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۶ میں صفحہ ۲ پر ہے۔

"ہم کو اسٹیٹسمین پایونیر اور دوسرے خالص اسلامی جرائد نے یہ بشارت کبریٰ سنائی ہے کہ دس کروڑ کے خالص سرمایہ سے ایک تجارتی کمپنی قائم کی گئی ہے جو ہندوستان کے تجارتی مصالح کو ترقی دے گی۔ اس کمپنی کا نام "ایسٹ اینڈ ویسٹ کارپوریشن لمیٹڈ" ہے۔ صدر دفتر دہلی میں ہوگا۔ اسٹیٹسمین اور دیگر

اینگلو انڈین اخبارات اس مسلم کمپنی کا نہایت شاندار الفاظ میں خیر مقدم کر چکے ہیں"

پھر اسی اخبار مدینہ مورخہ ۲۱ راگست سنہ ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ع ۵۹ صفحہ ۴ پر ہے :-

"گذشتہ اخبار میں ہم نے یہ خبر لکھی تھی کہ ہز ہائینس سر آغا خاں ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے بدیشی پارچہ کو فروغ دینے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کرنے والے ہیں۔ اخبار "الامان" سے اب معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف ہز ہائینس سر آغا خاں بلکہ ملا سیف الدین طاہر بوہرا قوم کے مقتدا اور اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے اکثر ممبروں نے دس کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کی ہے جس کا صدر دفتر دہلی ہوگا۔ اس کمپنی کے قیام کا اصلی محرک کون ہے اور اسکے اصلی مقاصد کیا ہیں؟ اس کے صحیح حالات ابتک صیغۂ راز میں ہیں۔ تاہم اس کے قیام پر اس خط سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے جو مسٹر بلوڈن جج ممالک متحدہ نے کسی مستفسر کے جواب میں لندن بھیجا تھا اور اتفاقاً سنڈے گرافک کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہوگیا۔ اور اسی غرض سے ہم اس خط کا متن ذیل میں درج کرتے ہیں"

"مدت سے ہندوستان کی صورت حالات قابو سے باہر ہو رہی ہے۔ ہم نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہینگے۔ سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملیگا۔ میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں کہ اسے ہندو اور مسلمان حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا تنازعہ ختم کرنے کے لئے ۳۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا۔ ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے۔ اب ہمیں مالیہ معاف کرنا پڑا ہے تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں۔ یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورت حالات ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دیئے جائیں

اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر تجارتی بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵ یا ۳۰ سال کے لئے ہندوستان پر ہمارا اثر و اقتدار قائم رہے۔ اب برطانوی حکومت کے پرانے طریق کار کی طرف عود کرنا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں ہیں۔ اب ہم دور ماضی کو قائم نہیں کر سکتے۔ نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں ریلیں اور نہریں وغیرہ قائم ہیں اب اسے ایسا طرز حکومت دیدو جو اس کے لئے موزوں اور قدرتی ہو۔ لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم ہے ہمیں تحریک مقاطعہ کو پورے زور سے روکنا چاہئے خونریزی کو روکنے اور دقیانوسی ہندو سسٹم کا سدباب کرنے کے لئے ہمیں کراچی اور دہلی سے کام شروع کرنا چاہئے۔ جہاں دنیا کی ایک بڑی مسلم طاقت قائم ہوگی۔ ہم خواہ کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرض عمل میں نہ لائیں۔ اور اسکے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات قائم کیوں نہ کریں۔ جب بحر قزوین اور بحیرۂ روم کی طرف وسیع ملکوں کا خیال جائے تو بڑے بڑے امکانات نظر آتے ہیں۔"

مذکورہ بالا تحریر سے چند امور معلوم ہوئے۔

(الف) اس تجویز "تقسیم ہند" کی باعث تحریک مقاطعہ یعنی بدیشی مال کا بائیکاٹ ہے جو ۱۹۱۹ء میں خلافت اور کانگریس کے مشترکہ اجلاس ناگپور میں پاس ہوئی اور مسٹر جینا بلکہ صرف مسٹر جینا نے اسکی مخالفت کی (جیسا کہ ان کی سوانحعمری میں مذکور ہے) اور جس پر مسٹر انڈریوز نے ان کی اس جراءت پر کہ تمام ممبران کانگریس و خلافت کے خلاف انہوں نے آواز بلند کی بڑی تعریف کی۔

(ب) اسی زمانہ سے ٹوری انگریزوں کو مسلمانوں کو توڑنے اور ان کو ملکی تحریکات سے علیحدہ کرنے کی وجہ سے اس قسم کی فکر ہے کہ دو منطقے ہندوؤں اور مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ بنا دیئے جائیں اگرچہ ہر دو قوموں میں تفریق کی اسکیم بہت پہلے سے چلی آتی تھی

مگر یہ تفریق اپنی تجارت کے قائم رکھنے کی اس زمانہ سے شروع ہوتی ہے (یہ بداہۃً معلوم ہے کہ برطانوی قوم تاجر قوم ہے اور اسکی مصنوعات اور تجارت پر اس کا مدار ہے جس کے لئے سب سے بڑی منڈی ہندوستان ہے) اور اسی لئے یہاں کے قومی لوگوں نے چرخہ اور کھدر کا استعمال قومی تحریک کا جزء قرار دیا تھا۔ چونکہ انگلستان کی مصنوعات کی فیصدی ۴۶ ہندوستان میں کھپت ہے اور اس کا خطرہ پروفیسر سیلے کو پریشان کئے ہوئے تھا اور جبکہ ہندو اکثریت بدیشی مال کے بائیکاٹ میں نہایت سخت ثابت ہوئی۔ اس لئے ٹوریان برطانیہ کو اس سے ناامیدی ہوئی اور انہوں نے مسلمان رجعت پسندوں پر چھاپہ مارا اور ان کو ہمخیال بنانیکی سعی شروع کی۔

(ج) یہ تحریک محض مسٹر بلوڈن کی شخصی نہیں ہے بلکہ حکومت ہند اور حکومت برطانیہ کے ذمہ دار اشخاص اس میں شریک اور متحد ہیں یہ آواز اُن کی ترجمان ہے۔ اسکے خط کے الفاظ پر غور فرمائیے۔

(د) یہ آواز سنہ ۳۱ء میں محض آواز ہی تک باقی نہیں رہی تھی بلکہ عملی جامہ بھی پہن چکی تھی اور اس کا اثر دور دور تک پھیل گیا تھا۔ اسکے عمال قدامت پسند ٹوری انگریز برطانیہ ہیں جنہوں نے اپنے زیر اثر ہندوستانی رجعت پسند لیڈروں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ مدینہ بجنور مورخہ ۹ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء جلد نمبر ۲۰ ع ۶۹ میں بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار مقیم لندن کا مقالہ نقل کرتا ہے:-

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرنیکی پوری کوشش کیجارہی ہے تاکہ اسکے بعد ہمیشہ ہندو مسلمانوں میں جھگڑا ہوتا رہے۔"

اسی تحریک سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے سنہ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد مسلم کانفرنس میں تقسیم ہندوستان کی تجویز پیش کی تھی۔ اور اس تجویز کے حق میں بھائی پرمانند اور چودھری رحمت علی وغیرہ نے مقالات اور تحریریں لکھی تھیں (۵)۔ یہ آواز مسٹر بلوڈن کی اس زمانہ

میں شخصی نہیں رہی تھی اور نہ یہ ابتدائی تجویز تھی بلکہ ایک متحدہ اور مقررہ ارادہ اور عمل کی ترجمان تھی۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں یہ کمیٹی دس کروڑ روپوں کے سرمایہ سے تجویز کی گئی جس میں سب سے بڑے حصہ دار ہز ہائینس سر آغاخاں اور ان کے بعد ملا سیف الدین طاہر اور ممبران کونسل آف اسٹیٹ و اسمبلی (جن میں مسٹر جینا بھی ہیں) بنے تھے۔ اس خط نے تو صرف ازہائے درون پردہ کا افشا کیا تھا۔ بنابریں مرتب مکالمہ کا یہ کہنا کہ "یہ مضمون ایک انگریز کی تجویز اور رائے پر مشتمل تھا" محض دروغ اور دجل ہے جس کا تذکرہ بوقت گفتگو بالکل نہیں آیا۔ مرتب صاحب نے اپنے ذہن سے خلاف تصریحات تراش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔

پھر یہ کہنا کہ "گویا اس مضمون کے سنانیکی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے" غلط ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ اظہار کرنا ہے کہ یہ پاکستان کا نظریہ ٹوری انگریزوں کا نکالا ہوا ہے۔ صرف اس انگریز مسٹر پلوڈن کی یہ ابتدائی تجویز نہیں ہے! اور اگر بالفرض اسی کی شخصی رائے بھی ہو اور اسی کو مدبرین برطانیہ اور دیگر خود غرض انگریزوں نے پسند کر کے عملدرآمد کرنا شروع کر دیا اور لیگی دماغوں میں اثر کر کے اسے عملی جامہ پہنانا چاہا ہو تو کیا تعجب ہے۔ بہر حال یقیناً یہ نظریۂ پاکستان انگریزوں کی ایجاد ہے اور شواہد عدل اس پر قائم ہیں۔ جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ کا اخبار کامن سنس مسٹر جینا کے بارے میں کہتا ہے۔ "اگر برطانوی ان کے (مسٹر جینا کے) ساتھ کھیل رہے ہیں تو وہ برطانویوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ اس برطانوی جینا باہمی کھیل کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔"

(مدینہ بجنور مورخہ ۹ رجون سنہ ۱۹۴۳ء مترجم آرٹیکل مسٹر جان گنتھر)

موجودہ دور یعنی ستمبر سنہ ۴۶ء میں جبکہ برطانیہ میں لیبر گورنمنٹ حکومت کر رہی ہے اور وزارتی مشن ہندوستان میں ایک یونین کی تجویز پیش کر چکا ہے۔ برطانیہ کی ٹوری پارٹی کی یہی کوشش ہے کہ یہ اسکیم ناکام ہو، اور عارضی گورنمنٹ میں شرکت سے

انکار اور اس کے خلاف ڈائرکٹ ایکشن کی تجویز کے پس پردہ اسی پارٹی کی سازباز معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ لندن کی ایک اطلاع اس پس منظر کی نقاب کشائی کرتی ہے اطلاع حسب ذیل ہے:-

"لندن ۱۱ ستمبر۔ مسٹر جناح کی اس تجویز کے بارے ہیں کہ حکومت برطانیہ لندن میں کانفرنس طلب کرے اور ان کو مساوی حیثیت سے بلائے۔ ذمہ دار برطانی پارٹی کے حلقوں میں خیال کیا جا رہا ہے کہ مسٹر جناح کی پیشکش کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہندوستان کے مسائل پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جائے اور فیصلہ میں اتنی دیر کی جائے کہ قدامت پسند پارٹی انگلستان میں برسراقتدار ہو جائے انگلستان کے حالات اور بین الاقوامی حالات روزانہ نازک صورت اختیار کر رہے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ حکومت ۱۹۵۰ء سے قبل ہی استعفی دیدیگی اور قدامت پسند جماعت تو امید کر رہی ہے کہ آئندہ سال میں بھی عام انتخابات ہو جائیں گے۔ ان سب حالات کی بنا پر مسٹر جناح نے لندن میں کانفرنس منعقد کرانے کی تجویز کی ہے۔ تاکہ وقت بھی ٹلے اور وہ قدامت پسند جماعت سے مشورہ اور تعلقات بھی پیدا کر لیں۔ قدامت پرست پاکستان کے بہت بڑے حامی ہیں۔ سنا گیا ہے کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کے لئے اب کوئی کانفرنس نہیں کرنا چاہتی۔" قومی آواز لکھنؤ ۱۳ ستمبر ۴۶ء ۲۳۸/۱ج

پھر یہ مقولہ نقل کر کے فرماتے ہیں" اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشارہ پر چلنے والی جماعت ہے"۔ مرتب مکالمہ کا اس پر انکار کرنا انتہائی تعجب خیز ہے۔ کیا موصوف کو لیگ کی ابتدائی پیدائش اور زندگی ۱۹۰۶ء اور اسکے بعد سے اب تک کی پوری تاریخ جس میں مسٹر جینا کی قیادت بھی شامل ہے معلوم نہیں؟ اگر معلوم نہ ہو تو "مسلمانوں کا روشن مستقبل" اٹھا کر دیکھیں۔

کیا مرتب صاحب کو معلوم نہیں کہ ۱۹۳۱ء میں ان حضرات نے راونڈ ٹیبل کانفرنس میں کیا کیا گیا؟ چنانچہ لیگی اخبار انقلاب لاہور مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے۔

ملاحظہ ہو روزنامہ انقلاب مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء اقلیتوں کے معاہدہ کے متعلق زیر عنوان "اقلیتوں کے معاہدہ کی مفصل تاریخ" کرنل سرہنری گڈنی کا طویل بیان لکھتا ہے جس کا آخری اقتباس بلفظہ حسب ذیل ہے۔

"سر آغاخان نے ہمیں مطلع کیا کہ وہ ہماری تجاویز کو مسلم پارٹی کے سامنے پیش کر دینگے اگلے روز میں نے گول میز کانفرنس کو نمائندوں کے یورپین گروپ سے ملاقات کی اور اپنی کارروائی سے مطلع کیا۔ اور ایک معاہدہ کے مسودہ پر سر ہربرٹ کے ساتھ بحث کی اور اسکے بعد بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ مشورہ کیا۔ مسلمانوں نے ایک جلسہ میں اس معاملہ پر بحث کر کے مجھے اس موضوع پر مفصل یادداشت بھیجنے کیلئے کہا میں نے ایسا ہی کیا اور اسکے بعد سر ہربرٹ کار سے گفتگو کی۔ اب یورپین گروپ اینگلو انڈین، ہندوستانی عیسائی اور اچھوتوں کے نمائندے متحد ہو چکے تھے اور مسلمان ہمارے اجتماعی خیالات سننے کیلئے بیتاب تھے۔ چنانچہ سر ہربرٹ نے رٹز ہوٹل میں ایک جلسہ کا انتظام کیا کیونکہ اب تمام معاملہ انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس طرح کے متعدد جلسوں اور بے حد بحث و تمحیص کے بعد ہم نے ۱۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو اقلیتوں کے معاہدہ پر دستخط کر دئیے اور ۱۲ نومبر کو یہ معاہدہ وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ ۱۳ نومبر کو ہز ہائنس سر آغاخاں نے اس کو رسمی طور پر مینارٹی سب کمیٹی میں پیش کیا اور اس پر بحث ہوئی۔ یہ اس دستاویز کی مختصر تاریخ ہے جو اب اقلیتوں کے معاہدہ کے نام سے مشہور ہے۔"

اسی اقلیتوں کے معاہدہ اور ان لیگیوں کی کارروائیوں کے متعلق انقلاب لاہور مورخہ ۶ فروری ۱۹۳۲ء زیر عنوان "مرکزی دستور کمیٹی کے مسلم ممبروں کے نامۂ اعمال" مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے۔

"ان حالات میں اگر ہم یہ کہیں کہ مسلم ممبروں نے قوم کیساتھ قوم کے حقوق کیساتھ قوم کے مفاد کے ساتھ غداری کی تو یہ لوگ روئینگے کہ انقلاب بے انصافی کر رہا ہے لیکن ہمارے لیے اس فعل کو کھلی ہوئی غداری قرار دینے کے سوا چارہ نہیں ان کی نیتیں نیک ہیں تو ہوں، ملک کو اس نیکی کی پوجا سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس فعل کی بدی اور برائی سے ہولناک نقصانات کا دروازہ اس کے منہ پر کھل گیا ہے خدا ایسے نیک نیت خادمان ملت کی بلا سے نہیں تو کم از کم ان کی ایسی خدمت کی بلا سے ہر قوم کو محفوظ رکھے!

مدینہ مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء کو لکھتا ہے۔

"انھوں نے ایک محضر غلامی پر جس کو یورپینوں نے تیار کیا تھا اپنے دستخط ثبت کر دئے اور اس طرح ان دعاوے کو جن کو دہراتے ہوئے ہندوستان میں انکی زبانیں خشک ہو گئی تھیں اور ان کے منحوس گلے خود بیٹھ گئے تھے پامال کر دیا۔ انھوں نے صوبہ سرحد کو قربان کر دیا، صوبہ سندھ کے گلے پر چھری پھیر دی پنجاب و بنگال کی ائینی اکثریت قائم کرنے کے دعوی کو خود جھٹلایا! الغرض بجز جداگانہ انتخاب کے جس کا فائدہ صرف ان رجعت پسندوں کی ذات کے سوا ملت اسلامیہ کو قطعاً نہیں پہونچ سکتا کوئی چیز حاصل نہ کی۔

خود ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کا بیان ہے کہ ان کی جماعت حصول مطالبات میں بالکل ناکام رہی لیکن اب سوال یہ ہے کہ لندن میں مسلمانوں کے ان خود غرض اور خود پرست نمائندوں نے خود اپنے

دعاوی کیساتھ جو غداری کی تھی کیا وہ ہندوستان میں بھی ہماری
آنکھوں کے سامنے اسے جاری رکھیں گے،،

یہی اخبار ۲۵ رجنوری ۱۹۳۲ء کے پرچہ میں لکھتا ہے۔

شلاً سب سے اول وہ محضر غلامی ہے جو اقلیتوں کے مطالبات
پر مشتمل ہے اس میں مسلمان ارکان کانفرنس نے ہندو راج کے وہمی
خطرہ سے بچنے کے لئے انگریزی غلامی اور یورپینیوں کے اقتدار کی حقیقی
مصیبت بطیب خاطر قبول کرلی صوبہ سرحد کو پامال کر دیا سندھ کی مشروط
علیحدگی گوارا کرلی فیڈرل گورنمنٹ کا گلا گھونٹ دیا، پنجاب و بنگال کی اکثریت
فنا کر دی حریت طلبی کے ادعا کو رسوا کر دیا مسٹر میکڈانلڈ کی قدموں پر سر رکھ
دیا۔اور اسلام کے نام پر ملک و ملت دونوں سے غداری کی،،

لیگ کی انگریز پرستی کے واقعات ابتدا سے بے شمار واقع ہوتے رہے ہیں۔
مرتب مکالمہ کہاں تک ان پر پردہ ڈالتا ہوا مسلمانوں کی آنکھ میں دھول ڈالنے کی کوشش
کریگا! کیا ان تمام کوششوں میں مسٹر جناح پیش پیش نہیں تھے؟ دور کیوں جائیں
ابھی وزارتی ڈیلی گیشن کی تجاویز پر لیگ کا مہر قبولیت ثبت کر دینا کیا انگریز پرستی اور
اس کے اشاروں پر چلنے کا کھلا ہوا مظاہرہ نہیں ہے کہاں طلب پاکستان کے
بلند آواز ہنگامے، اور وہ شور اشوری، اور وہ کنونشن کانفرنس میں ان صلوٰتی و
نسکی الآیۃ، کے ماتحت عہد نامے، وہ ہلاکو اور چنگیز کے دریائے خوں بہا دینے کے
آوازے!! کہاں یہ ایک بے اختیار یونین کی قبولیت!! اور بے معنی و بے اختیار
تین گروپوں کی قرارداد کا مان لینا! اور یہ کہہ دینا کہ پاکستان کی بنیاد ہمکو حاصل ہوگئی ہے
اس سے بڑھ کر بھی انگریز کے اشاروں پر چلنے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوئی نظیر
ہوسکتی ہے؟ العجب ثم العجب! اسی بنا پر مولانا حسرت موہانی جو کہ لیگ کے بہت سرگرم

کارکن ہیں اور اُسی کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی میں کامیاب ہوئے ہیں، لیگ کے پروپگنڈہ الکشن میں شہر بشہر پھرتے ہیں، عین کونسل کے جلسہ میں اور اس کے بعد دوستوں کی مجلس میں فرمایا!!

"ہم نے اسلام کو دھوکہ دیا ہے، ہم نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے، ہم نے قرآن کو دھوکہ دیا ہے، ہم نے اپنے نفس اور پروردگار کو دھوکہ دیا ہے، کیا یہی وہ پاکستان ہے جس کا حلف دہلی میں اٹھایا گیا تھا"،

قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۱۸ رجون ۱۹۴۶ء زیر عنوان

"جب لیگ نے کابینی تجاویز کو منظور کیا حضرت نے کہا ہم نے اسلام کو الخ"،

اسی پر اڈیٹر قومی آواز لکھتا ہے،

"یہ ہے مسلمانوں کی رائے عامہ اور یہی وجہ ہے کہ اس فیصلہ کا استقبال صرف ان مسلمانوں نے کیا ہے جو آجتک انگریزی عہد حکومت میں خوشامد پرستی کے نقطۂ عروج پر تھے، اور آج کانگریسی حکومتوں کی خوشامد کر کے نفع اندوزی کی اسکیمیں بنا رہے ہیں"،

مرتب مکالمہ غور فرمائیں اور اس مصرعہ کو بار بار پڑھیں"،

وهل يصلح العطار ما افسد الدهر!

من زخوباں چشم نیکی داشتم خود غلط بود آنچہ من پنداشتم

مرتب مکالمہ اسی صفحہ ۱۴ پر لکھتا ہے کہ مولانا مدنی کا پاکستان کے خلاف ایک استدلال اور علامہ عثمانی کی طرف سے اس کا مسکت جواب! جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تحریر حضرت علامہ کو سنائی گئی تھی اس کا انہوں نے وہ جواب

دیا تھا جو کہ صفحہ ۱۵ میں درج ہے!

حالانکہ ہم کو بخوبی یاد ہے کہ اس تحریر کو سنکر مولانا خود دم بخود ہو گئے تھے اور کچھ جواب نہیں دیا تھا۔ یہ جواب مولانا موصوف کا یا مرتب مکالمہ کا بعد کا پیدا کیا ہوا ہے! لارڈ ویول کی کلکتہ کامرس چیمبر اور اسمبلی اور راولپنڈی کی تقریروں کا یقیناً وہاں تذکرہ نہیں آیا۔ نہ ہی لارڈ لنلتھگو کی ۱۹۴۲ء کی تقریر پر گفتگو کی نوبت آئی اور اگر بالفرض یہ جواب واقع بھی ہوا ہوتا تو یہ ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے! اس لئے کہ وہ شخص جو برسر حکومت ہے وہ اپنی رائے اور عمل میں آزاد نہیں ہوتا! بلکہ حکومت کی پالیسی کا پابند ہوتا ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ ماتحت ہو۔ اس لئے کہ وائسرائے ہند تو وزیر ہند اور وزیر اعظم اور کیبنٹ کی پالیسی کے خلاف ایک کلمہ بھی نہیں بول سکتا، حکومت کو اپنی پالیسی میں اکثریت کی پاسداری اور ایسے امور کا لحاظ جن سے قلق اور اضطراب کا اندیشہ ہو بہت زیادہ ضروری ہوتا ہے اسی وجہ سے لیبر حکومت کی پالیسی اور لیبر افراد کی آراء اور ان کے کلمات میں زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ مسٹر میکڈانلڈ جب تک برسر حکومت نہیں تھے کتاب "اویکننگ آف انڈیا" لکھتے اور ہندوستان کیساتھ انتہائی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر جب برسر حکومت آتے ہیں تو اور ہی رنگ ہوتا ہے غرضیکہ ایک ذمہ دار حاکم کے مقالہ کو اس کی حقیقی رائے قرار دینا غلط ہے۔ وہ جب تک برسر حکومت ہے حکومت کی ظاہرہ پالیسی کے موافق کہنے اور کرنے پر مجبور ہے لا

کون نہیں جانتا کہ برطانویوں کی ہمیشہ سے ہندوستان میں یہی پالیسی رہی ہے کہ لڑاؤ اور حکومت کرو (ڈیوائڈ اینڈ رول) مگر جب بھی کوئی گورنر یا وائسرائے کھڑا ہوتا ہے تو اتحاد کے ہی وعظ کہتا ہے حتیٰ کہ تعزیرات ہند میں ہندوستانی اقوام اور جماعتوں میں لڑائی کرانا اور ان میں اشتعال پیدا کرنا جرائم میں سے شمار کیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے

آئے دن مقدمات چلائے جاتے ہیں حالانکہ خود برطانوی حکام ہندوستانیوں اور بالخصوص ہندو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کیلئے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ خرچ کرتے رہتے ہیں!! ان کے ذمہ داروں کی ایسی ہدایات طشت از بام ہو چکی ہیں۔
دیکھو کازنے ٹمکس، میجر جرنل کی بی سمتھ، سر جان بینارڈ، لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی، سر جان میلکم، مسٹر چرچل وغیرہ کی ہدایات!!! اسی طرح کون نہیں جانتا کہ برطانیہ کی اغراض ہندوستان کو لوٹنا کھسوٹنا اور اپنی قوم کو نفع پہونچانا ہے۔ جیساکہ سر جان ولیم ہکس ہوم سکرٹری انگلستان کہتا ہے "کہ ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے نہیں فتح کیا ہے اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے نہیں ہیں" مگر ہر وائسرائے اور ہر گورنر کے لکچر کو دیکھئے کہ کس قدر اہل ہند کی خیر خواہی اور ان کی بھلائی کی خواست گاری سے بھرا ہوا ہوتا ہے! تعجب ہے مرتب مکالمہ جان بوجھکر آنکھوں میں دھول ڈالتا ہوا اس جواب کو مسکت قرار دیتا ہے حالانکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسٹر پلوڈن کی یہ تحریر شخصی رائے نہیں بلکہ وہ اس پالیسی کی ترجمانی ہے جس کو مدبرین برطانیہ مقیمین ہند نے یہاں کیلئے قرار دیا ہے اور ہم یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ سنہ ۱۹۳۱ء میں لندن میں اس پر عمل درآمد ہو رہا تھا جیسا کہ بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار مقیم لندن نے صاف طور سے لکھا ہے اور اس وقت سے آج تک مدبرین برطانیہ کا یہی طرز عمل جاری ہے۔ جیساکہ امریکہ کے اخبار "کامن سنس" نے سر جان گنتھر کے آرٹیکل میں ظاہر کیا ہے یہی نہیں بلکہ امریکہ میں برطانوی سفارتخانہ پاکستان کے متعلق پمفلٹ اور لٹریچر وغیرہ لندن میں چھپوا کر ہوائی جہازوں کے ذریعہ امریکہ میں منگواتا اور مفت تقسیم کرتا رہتا ہے اور امریکہ میں لیگ کے پروپیگنڈے کے لئے آفس قائم کیا ہوا ہے مسٹر احمد سیتاپوری اس کے ناظم ہیں ان کو تنخواہ برطانوی سفارتخانہ سے دی جاتی ہے۔
دیکھو ملاپ روزانہ جلد ۲۲ ع ۲۴۴۷ مورخہ ۱۶؍ جنوری سنہ ۱۹۴۵ء

(بیان مسٹر جمن لال سیتلواڈ جرنلسٹ جس کی تردید آجتک حکومت نے نہیں کی)

ھدرکیوں جلتے ہیں! وزارتی ڈیلیگیشن کی تجاویز ہی کو ملاحظہ فرمائیے کہ ہندوستان کو تین گروپوں میں تقسیم کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار! اگر مشکل یہ آپڑی کہ حکومت بین الاقوامی حالات سے مجبور ہوکر کانگریس کو راضی کرنا ضروری سمجھتی ہے اور اس لئے اپنے مجوزہ پاکستان کو اپنی طبیعت کے خلاف اذخن کرنے پر مجبور ہورہی ہے تاہم گروپنگ کی مصنوعی شکل بناکر لیگ سے کئے ہوئے وعدوں اور اپنی لڑاؤ والی پالیسی کو بظاہر پورا کرنیکے لئے لیگی لیڈروں کو خوش کرنے کی سعی ناکام ضرور کی ہے مگر چونکہ فریق ثانی اس حقیقت کو بخوبی سمجھتا ہے اس لئے اس نے مصنوعی شکل کے خلاف طاقت آزمائی شروع کر دی اور مشن کے آخری بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک حد تک کامیاب ہے!

غرض ایک مرکزی یونین کا قیام اور گروپنگ کا اس کے ماتحت رہنا ایک نمائندہ اسمبلی اور مرکز اور عارضی حکومت میں عدم مساوات سب کچھ ختم کر دینے کے باوجود لیگ نے حکومت کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ حکومت برطانیہ کے چشم و ابرو کے رحم و کرم پر زندہ ہے۔ اور اس کا نصب العین مسلمانوں کے علیحدہ مقام کے مطالبہ کی آڑ میں صرف برٹش حکومت کا استحکام ہے!!

مکالمہ کے صفحہ ۶ میں اس کے بعد مولانا حفظ الرحمن صاحب کی ابتدائی تقریر کا خلاصہ درج کیا گیا ہے جس کو نجی طور پر مولانا موصوف نے مخلصانہ انداز میں علامہ عثمانی کے سامنے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق ذکر فرمایا تھا جس میں حسب روایت مکالمہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ اسقدر یقینی ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں! الخ ظاہر ہے کہ یہ نجی گفتگو ہرگز اس قابل نہ تھی کہ اس کو شائع کر کے طشت از بام کیا جاتا۔ بلکہ رازہائے سربستہ کی طرح اس کو مخفی رکھا جاتا اور ذریعۂ فتنہ نہ ہونے

دیا جاتا۔ مگر افسوس ہے کہ خلاف احکام شرعیہ اور خلاف اصول تہذیب و انسانیت
اس کو شائع کر دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر اخبار مدینہ مورخہ ۵ر اپریل ۱۹۴۶ء زیر عنوان۔

"مکالمۃ الصدرین غلط بیانیوں کا مرقع ہے"، مولانا حفظ الرحمن کا بیان
علامہ عثمانی کے قلعہ معلیٰ میں جمعیۃ علماء ہند کے بزرگوں کی حاضری، لکھتا ہے!

"زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ جمعیۃ علماء ہند کے بزرگوں نے چند نیک مقاصد کی خاطر
حضرت علامہ عثمانی دامت برکاتہم کے قلعہ معلیٰ میں باریابی کی سعادت حاصل کی
تھی! مسلم لیگ کے حلقہ نشر و اشاعت نے اس ملاقات کو صدرین کی ملاقات کا عنوان دیا
اور اس کی تمامتر تفصیلات کو مکالمۃ الصدرین کے نام سے شائع کر دیا علامہ عثمانی
نے ملاحظہ فرمایا کہ اس مطبوعہ رسالہ کی کشادہ پیشانی پر القاب و آداب کی فوجیں قطار
اندر قطار کئی میل تک کھڑی ہیں اور جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے سلامی پیش کر رہی ہیں!
قدرتی طور پر حضرت علامہ کی خودی کے بحر ناپید اکنار میں جوش آگیا بیان کیا جاتا ہے
کہ حضرت نے جوش کی سرحدوں کو پار کر کے ایک جلسہ میں فرمایا "مکالمۃ الصدرین"
کا ایک ایک حرف صحیح ہے اگر مولانا مدنی اس سے انکار کریں تو میں ان سے مباہلہ
کے لئے تیار ہوں"، مولانا حفظ الرحمن ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند فرماتے ہیں کہ
یہ بیان غلط بیانیوں کا مرقع ہے۔ مولانا کی طرف سے ہمیں جو تردید موصول ہوئی ہے
وہ درج ذیل ہے۔ اس سلسلہ میں چند جملے ہم بھی پیش کرنا چاہتے ہیں!

(الف) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مطبوعہ رسالہ کا نام ہی غلط ہے، مولانا مدنی
صدر جمعیۃ علماء ہند ہیں! صدر مسلم پارلیمنٹری بورڈ صدر اعلیٰ دارالعلوم دیوبند ہیں! یہ اُن کا
مکالمہ ہے — علامہ شبیر احمد عثمانی سے جو مکالمہ کے وقت کسی جماعت کے صدر
نہیں! اس لئے اس کا نام مکالمۃ الصدرین رکھنا خودی اور خود پرستی کا پہلا مغالطہ ہے
صدر ہونا مستقل بالذات جوہر ہے اور صدارت کی آرزو عرض ہے علماء سمجھ سکتے

ہیں عرض پر جوہر کا اطلاق نہیں ہو سکتا!

(۲) مکالمۃ الصدرین، دیوبند کی اخلاقی تاریخ کا سب سے پہلا مکروہ سانحہ ہے یہ ایک گناہ ہے جس کے جواب میں کوئی عذر گناہ نہیں پیش کیا جا سکتا! اگر آپ شریعت کو مانتے ہیں تو شریعت کی رو سے، اور اگر آپ اخلاق و شرافت کو مانتے ہیں تو اخلاق و شرافت کی بنا پر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ مکالمہ کی اشاعت ہر اعتبار سے مکروہ تحریمی کا درجہ رکھتی ہے! گفتگو خواہ ذاتی ہو یا سیاسی فریقین کی منظوری ہی سے شائع ہو سکتی ہے! کتنی گفتگوئیں اور خفیہ مراسلتیں ہیں جو لارڈ لنلتھگو اور قائد اعظم کے درمیان ہوئی ہیں، ان کو یہ دونوں ایک دوسرے کی منظوری کے بغیر شائع نہیں کر سکتے! شرعاً اور بھی ممنوع ہے کہ ایک تیسرا شخص تجسس کر کے اس کو شائع کرے۔ علامہ عثمانی کو علمی ایوان کا دروازہ بہت بلند ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ایک بڑے انسان کی حیثیت سے وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اپنے چھوٹوں کے سامنے ایک اعلیٰ نمونہ پیش کرینگے

(۳) مکالمۃ الصدرین کی اشاعت سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ علامہ عثمانی کی لسانی کے مقابلہ میں جمعیۃ علمائے کے بزرگوں کی زبانیں بند ہو گئیں! اول تو یہ کوئی کمال نہیں! دوسرے یہ غلط بھی ہے! کبھی کبھی خموشی کے معنے وہ ہوتے ہیں جس کو کوئی قلم اور کوئی زبان ادا نہیں کر سکتی اگر کسی خاندان کا مورث اعلیٰ مر جائے تو گھر میں خموشی کا سناٹا ہو جاتا ہے۔ جمعیۃ علماء کے بزرگوں کے لئے کسی نہ کسی درجہ میں یہ ایسا ہی وقت تھا! سب کو معلوم ہے کہ علامہ عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر اعلیٰ تھے، مکالمۃ الصدرین کے مصنف جناب مولانا محمد طاہر صاحب کی سالہا سال کی آرزو کے مطابق دفتر اہتمام کی تحریک پر مولانا عہدہ صدارت سے الگ کئے گئے مجلس شوریٰ میں عہدہ تخفیف کی تحریک اور تائید جن بزرگوں نے کی ان میں سے ایک مسلم لیگ کی آل انڈیا کونسل کے رکن تھے اور دوسرے مسلم لیگ دیوبند کے صدر تھے اخباروں میں نام مولانا

مدنی اور کانگریس کا بدنام کیا گیا۔ گفتگو کے مرحلہ پر جمعیۃ علماء کے بزرگوں کو معلوم ہوا کہ علامہ عثمانی کا لب و لہجہ شکوہ و شکایت کا ہے! سیاسی نہیں! اور علامہ محترم مولانا محمد طاہر کی جگہ مولانا مدنی سے انتقام لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ تو جمعیۃ علماء ہند کے بزرگوں کے لئے سوائے خموشی کے آخری چارہ کار کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہ مکالمہ تھا! ہار جیت کا مناظرہ نہ تھا!

حسن اتفاق سے اس مکالمہ کے چند روز بعد حضرت علامہ عثمانی نے مدیر مدینہ کو دیوبند میں باریابی کا شرف عطا کیا! مدیر مدینہ اپنے دل کا درد پیش کرتا رہا مولانا یکسر خاموش رہے! معاملہ بزرگانہ فرمایا۔ جواب ناکافی مرحمت فرمائے اب اگر مدیر مدینہ اپنے اخبار کے صفحات پر یہ لکھتا ہے کہ۔

"علامہ عثمانی ایک گھنٹہ تک مدیر مدینہ کی مدلل گفتگو کا جواب نہ دے سکے قطعاً خاموش ہو گئے، بمشکل جواب دینا شروع کیا مگر الزامی جوابات میں الجھ گئے، ایک مرتبہ اپنے سوالات کی پیچیدگیوں میں ایسے الجھے کہ انھیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ مجھے کس سوال کا کیا جواب دینا ہے"

تو میرا یہ کہنا غیر شریفانہ فعل ہوتا۔ مولانا نے مجھے گفتگو کا موقعہ دیا۔ اپنے دل کے راز میرے سامنے رکھ دئے۔ بہت سی کار آمد باتیں میری معلومات کے لئے پیش کیں مجھے ممنون احسان فرمایا! ایسی حالت میں میرا کچھ لکھنا احسان ناشناسی ہوتی ہے۔ مگر تاہم یہ ضروری نہیں کہ علامہ عثمانی نے الکشن کی ضرورت کے لئے جس غلطی کا ارتکاب کیا راقم الحروف بھی اسی کا ارتکاب کرتا۔

(۴) علامہ عثمانی اور محمد طاہر صاحب کا اخلاقی فرض یہ تھا کہ مکالمۃ الصدرین کی ایک ایک کاپی جمعیۃ علماء کے شرکاء مکالمہ کو پہنچاتے مگر خوف تھا تردید کا اور

صداقت کے اظہار کا اس لئے یہ جرأت بھی نہیں کی گئی! بہر حال یہ ہے مکالمۃ الصدرین کی اشاعت کا پس منظر! مولانا حفظ الرحمن صاحب نے اپنے بیان میں ایک خاص پہلو سے اس کی تردید کی ہے، مولانا کا بیان ذیل میں درج ہے!

البتہ ذاتی اور سیاسی اختلافات کے اس مرحلہ پر ہم علامہ عثمانی کے علم اور فضل و کمال کا اعتراف ضرور کریں گے اختلافات ہو سکتے ہیں مگر شخصیتوں کی عظمتوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا!

مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب کا بیان

گذشتہ ایام میں میری تحریک پر حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے بند مکان میں بعض اکابر علماء جمعیۃ کے درمیان حالات حاضرہ کے متعلق تقریباً دو ڈھائی گھنٹہ جو گفتگو ہوئی تھی وہ ایک نجی گفتگو تھی جس کا اظہار تحریک کے وقت بھی کر دیا گیا تھا - اور گفتگو کے وقت بھی - چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے اس گفتگو کو یہی حیثیت دی جیسا کہ انھوں نے ختم گفتگو پر یہی ظاہر فرمایا اور شام کو جب میں دہلی جاتے ہوئے دوبارہ ملاقات کے لئے گیا تو پر زور الفاظ میں یہ فرمایا کہ بعض میرے رفقاء نے مجھ سے کہا کہ حضرت آپ نے ہم کو اس گفتگو میں کیوں شریک نہیں فرمایا تاکہ ہم آپ کی رفاقت کا فرض انجام دیتے تو میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ گفتگو کوئی حریفانہ انداز میں نہیں تھی - بلکہ تعلقات باہمی کی بنیاد پر نجی گفت و شنید تھی - اس لئے آپ کی شرکت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی! اور بحمداللہ گفتگو شروع سے آخر تک بہت ہی خوشگوار طرز میں ہوئی پس اسلامی حکم، اخلاقی فرض، دونوں لحاظ سے ایسی گفتگو کا یک طرفہ شائع ہو کر پروپیگنڈہ کی شکل اختیار کر لینا کسقدر بداخلاقی اور اخلاقی پستی اور احساس فرض کے فقدان کی کیسی بدنما تصویر ہے اور حدیث نبوی

(علیہ السلام) المجالس بالامانۃ کے حکم کی کس درجہ خلاف ورزی ہے اس کا اندازہ ہر شخص باآسانی لگا سکتا ہے مگر افسوس! کہ اس گفتگو کو مولوی طاہر ابن احمد القاسمی صاحب نے مسلم لیگ کے پروپیگنڈہ کی خاطر ایسی حالت میں شائع کر دیا جبکہ وہ گفتگو میں ایک نہ تھے! اور نہ دوران گفتگو میں کوئی صاحب اس کو قلمبند کر رہے تھے اور نہ بطور یادداشت اس کے نوٹ لکھ رہے تھے اور نہ صرف یہ بلکہ نہ اشاعت کی اجازت حاصل کی اور نہ اُن کو دکھلا کر اس کی تصدیق فرمائی اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی تصدیق کے ادعار کے باوجود اُن کی قلمی تصدیق سے بھی قاصر رہے انا للہ وانا الیہ راجعون! اور اگر ان تمام شرعی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کر کے ایک غیر متعلق ہونیکے باوجود اس مکالمۃ کو شائع بھی کیا تھا تو دیانت اور حق شناسی کا تقاضہ تھا کہ مرتبہ تحریر کو کذب بیانی سے محفوظ رکھا جاتا اور لیگ کی بیجا حمایت کی خاطر دروغ بی فروغ کی جرأت نہ کی جاتی لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مکالمۃ الصدرین، بلاشبہ افترا، کذب بیانی، غلط واقعات اور غیر واقعی الزامات کا ایک ایسا مجموعہ ہے، جس کو دیکھ کر حسرت کیساتھ یہ کہنا پڑتا ہے! ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

میں جمعیۃ علماء ہند کے اہم مشاغل کیوجہ سے اس پورے عرصہ مسلسل سفر میں رہا۔ اور مکالمۃ الصدرین کا تذکرہ سننے کے باوجود اس کے مطالعہ سے محروم رہا! (حالانکہ اس سالہ کا جمعیۃ علماء کے ارکان تک پہونچانا اخلاقی فرض تھا) اب جبکہ ۱۲ مارچ کو دہلی آیا تو یہ پمفلٹ نظر سے گذرا۔ مکالمت کی نوعیت کیا تھی! گفتگو کا انداز ہار جیت کا تھا یا ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو پوری طرح سمجھنے اور ایک دوسرے سے حتی الامکان قریب ہونے کی کوشش پر مبنی تھا! دلائل و براہین کی نوعیت وہ تھی جو مکالمۃ الصدرین کے مرتب نے قطع و برید کر کے پیش کی ہے یا دوسری تھی؟ واقعات

کس حد تک جھوٹ بول کر پیش کئے گئے ہیں اور کس درجہ غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، اس انکشاف حقیقت کے لئے مجبوراً جمعیتہ علماء ہند کے کسی رکن کو قلم اٹھانا ہی پڑیگا تاہم اس وقت فوری طور پر ایک ایسے افتراء و بہتان اور کذب بیانی کی تردید ضروری سمجھتا ہوں جس سے عمداً و قصداً مرتب صاحب نے بعض مخلصین کے درمیان معاندانہ افتراق و انشقاق پیدا کرنے اور غلط فہمی میں ڈال کر بغض و عناد کے قریب تر لانے کی سعی ناکام فرمائی ہے میرا روئے سخن مکالمتہ الصدرین کی اس عبارت کی جانب ہے!

"اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب ۔ کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا،،

(مکالمتہ الصدرین) وکفی باللہ شہیداً اس کا ایک ایک حرف افتراء اور بہتان ہے میں نے ہرگز ہرگز یہ کلمات نہیں کہے۔ اور نہ مولانا الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک کے متعلق یہ بات کہی گئی! سبحانک ھذا بہتان عظیم بلکہ مرتب صاحب نے اپنی روانی طبع سے اس کو گھڑ کر اس لئے میری جانب منسوب کرنا ضروری سمجھا کہ اسکے ذریعہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تحریک سے والہانہ شغف رکھنے والے ان مخلصوں کو بھی جمعیتہ علماء ہند سے برہم اور متنفر کرنے کی ناکام سعی کریں جو جمعیتہ علماء ہند کے اکابر و رفقاء کار کے ساتھ بھی مخلصانہ عقیدت اور تعلق رکھتے ہیں، اب یہ قارئین کرام کا اپنا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو صحیح قرار دیں جس کی بنیاد شرعی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کر کے محض جھوٹے پروپگنڈے پر قائم کی گئی ہے یا اس سلسلہ میں میری گذارش اور تردید پر یقین فرمائیں البتہ میں مرتب کی اس بیجا جسارت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔

والی اللہ المشتکیٰ واللہ بصیر بالعباد ،،

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بیان مذکورہ بالا کے رو میں حضرت علامہ عثمانی کا ایک مختصر بیان چند سطروں میں لیگی اخباروں میں آیا تھا جس میں مولانا موصوف نے بقیہ اراکین وفد سے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بیان اور اس عبارت کے انکار کی تصدیق کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے اعتراضات کا جواب کوئی نہ تھا۔
ہم تعجب کرتے ہیں جبکہ مولانا کو اپنے نسیان کا یہانتک اقرار ہے کہ مجلس مکالمہ کی ہی مضامین اور ترتیب یاد نہیں رہی اور مرتب مکالمہ کو خود اقرار ہے کہ گفتگو سوا تین گھنٹہ جاری رہی اور مکالمہ میں اس کی تحریر اتنی مقدار میں پیش فرماتے ہیں جو کہ بہت سے بہت آدھ گھنٹہ میں ہو سکتی ہے اور خود فرماتے ہیں کہ یہ تحریر اس گفتگو کا لب لباب ہے۔ ترتیب کے بدلجانے اور ایک دو جملوں کی محذوف ہونے کا بھی اقرار ہے اور یہ بھی اقرار ہے مولانا عثمانی صاحب نے جبکا حافظہ مذکور ہوا بعد انقضائے مجلس کئی گھنٹہ یا کئی دن کے بعد املا فرمایا اور پھر مرتب صاحب نے کسقدر عبارت حذف کی اور کیا سمجھے؟ کیا مذکورہ بالا اُمور متعددہ کے ہوتے ہوئے علامہ عثمانی کا سچائی کا دعویٰ مسموع ہو سکتا ہے؟ حالانکہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنے انکار کو کفی باللہ شہیداً او سبحانك هٰذا بہتان عظیم وغیرہ کی ساتھ مؤکد فرماتے ہیں۔

ہم نے اسی وجہ سے مکالمہ کے چند کھلے کھلے جھوٹ پہلے ہی نقل کر دئے ہیں جن میں کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں ہو سکتی۔ ایسے کھلے ہوئے اکاذیب کے بعد اس تمام دفتر کے دفتر کو ہی دروغبافی کا طومار سمجھنے اور یقین کرنے کی سوا اور کیا چارہ ہے؟

حضرت مولانا عثمانی کو یاد نہیں رہا کہ مولانا حفظ الرحمٰن نے کیا کہا تھا۔ انھوں نے مولانا آزاد سبحانی سے متعلق واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا، حضرت! آپ تو خود

ہی خوب جانتے ہیں کہ حکومت تحریکات کے موقعہ پر کس طرح دور رس طریقوں سے اپنے مقصد کو پورا کر لیا کرتی ہے آپ کو یاد ہوگا کہ جب سن ۳۰ء میں کانگریس اور جمعیۃ علماء کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تھی تو حکومت کے اشارہ سے مختلف مقامات پر ترغیب الصلوٰۃ کے نام سے انجمنیں قائم کی گئی تھیں، تاکہ مسلمان تحریک سے ہٹ کر مذہب کے نام پر ادھر متوجہ ہو جائیں چنانچہ دہلی میں بھی اس انجمن کا زور شور تھا، حتّٰی کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی نیک نیتی سے اس کو مذہبی تحریک سمجھ کر اپنے معتقدین کو اس میں حصہ لینے کے لئے حکم فرمایا ابھی یہ سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ ایک روز شام کے وقت سٹی زن لیگ (شہری لیگ) کے نام سے ایک جلوس شہر میں نکلا۔ یہ لیگ علی الاعلان سول نافرمانی کی تحریک کے خلاف ہندو، مسلمان رائے بہادروں اور خان بہادروں کی جانب سے قائم کی گئی تھی جس میں خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب بھی پیش پیش تھے۔ جلوس نکلا اور چاندنی چوک پہونچا تو مسلمانوں کو یہ دیکھ کر نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ ان میں سخت غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی کہ جلوس کی ترتیب میں انجمن ترغیب الصلوٰۃ کی رضاکارانہ کور بھی نمایاں موجود ہے اور اونٹ پر آگے آگے برطانیہ کا صلیبی جھنڈا یونین جیک، لہرا رہا ہے اور اسکے پیچھے انجمن ترغیب الصلوٰۃ کے رضاکار ایک موٹو (انجمن کا نشان) ہاتھ میں لئے جارہے ہیں جس پر جلی حروف سے یہ لکھا ہوا ہے۔

روز محشر کہ جانگداز بود　　　　اولیں پرسش نماز بود

ظاہر ہے کہ یہ رضاکارانہ مظاہرہ اسلام اور مسلمانوں کی کسقدر توہین تھی، جس کو کسی مسلمان نے بھی پسند نہیں کیا اور آخر دو چار روز کے بعد اہل شہر کی ایک مجلس میں جب اس واقعہ کا حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ کی موجودگی میں ذکر آیا تو مولانا بیحد متأثر ہوئے اور نظام الدین جاکر انھوں نے سختی کیساتھ اس رشتۂ اتحاد کو

درہم برہم کر کے خود کو اور اپنی جماعت کو اس سے جدا کر لیا تو حضرت یہ چالیں تو حکومت کے بائیں ہاتھ کا کرشمہ ہیں!

رفتہ رفتہ وہ انجمن ہی نیست و نابود ہو گئی، کیونکہ گاندھی اروِن معاہدہ نے ضرورت ہی باقی نہ رہنے دی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم کی موجودہ تحریک تو اس کے بہت عرصہ بعد منظر عام پر آئی ہے لہٰذا کون بے وقوف اسکا ذکر کر کے صریح دروغ گو بن سکتا ہے!

مگر حضرت مولانا عثمانی صاحب کے حافظہ یا حبث شیئی ویعمی ویصم یا مرتب مکالمہ کہ مقاصد مشئومہ نے مذکورہ بالا الفاظ کی جگہ مکالمۃ الصدین کی پر افترا گفتگو ایجاد کر کے شائع کر دی جس کی بنا پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ان زوردار الفاظ میں برأت کرنی پڑی۔

فلاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم مذکورہ بالا تحریرات کے بعد ہم کو ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہم حضرت مولانا عثمانی کے ہر ہر جملہ کا جواب لکھ کر تحریر کو طویل کریں! ہاں یہ جملہ تعجب خیز ضرور ہے کہ آپ فرماتے ہیں!

> "بلکہ دیانتہً"، یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیئے اور علماء ملت کو اس کی پشت پناہی اور صلاح میں جدوجہد کرنی چاہیئے"

کیا مولانا سے پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ رائے آپ نے اسوقت زمانہ الیکشن ہی میں کیوں قائم فرمائی۔ تحریک خلافت سے لیکر یعنی سنہ ۱۹۲۱ء سے سنہ ۱۹۴۶ء کی اس پوری چوتھائی صدی تک آپ کی دیانت کو جوش کیوں نہیں آیا۔ کیا مسلمانوں کی جماعتیں متفرق اور مختلف نہیں رہیں اور کیا آپ کے موجودہ اعلان حق سے بہت قبل ہی لیگ نے پاکستان اور ایک پلیٹ فارم کا اعلان نہیں کر دیا تھا اور آپ اس اعلان سے دو تین سال بعد تک لیگ سے دور بلکہ نفور رہے، اور جمعیۃ علماء ہند کے مسلک ہی کیساتھ وابستہ رہے!

حتیٰ کہ جمعیۃ علماء اسلام میں پیغام پہونچنے سے قبل مولانا آزاد سبحانی صاحب نے جب دیوبند آکر بالمشافہہ گفتگو کی تو آپ نے ان تمام اسلامی ضروریات کے موجود ہونے کے باوجود جس سے بیچین ہوکر آپ نے لیگ کی حمایت اب شروع فرمائی ہے مولانا آزاد سبحانی کو ناامید نہ کیا جیساکہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور آپکے درمیان گفتگو سے ظاہر ہے تو اب نہ معلوم وہ کونسا داعیہ ہے جس نے یک بہ یک مولانا پر یہ الہام کردیا جس کا سطور بالا میں ذکر ہے ؟ اور آخر عین الیکشن کے ہنگامہ کے وقت میں یہ حق کسطرح روشن ہوکر سامنے آگیا؟

مولانا آزاد سبحانی کے واقعہ کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب مرحوم کے متعلق افواہات پر قیاس کرکے ٹلادینا بھی تعجب خیز امر ہے! اول تو مقیس اور مقیس علیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے!

دوسرے یہ کہ مرتب مکالمہ صفحہ میں نقل کرتا ہے کہ دو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرسکتے ہیں اور اس سلسلہ میں بعض محفوظ تحریرات بھی دکھا سکتے ہیں جو سوائے آپکے عام طور سے نہیں دکھائی جاسکتیں! ان کو دیکھکر آپ خود اطمینان کرسکتے ہیں!۔

جبکہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے پاس اس کے متعلق ایسے کاغذات یا شواہد موجود ہیں جو کہ ہر طرح موجب اطمینان و یقین ہیں تو ان کو طلب کرنا چاہیئے تھا ورنہ کم ازکم حضرت مولانا اشرفعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مثال (جس کے لئے کوئی یقین پیدا کرنیوالے موجبات تھے ہی نہیں) پیش کرکے ٹلانا تو نہ چاہیئے تھا! اس کے بعد صفحہ ۸ میں زیر عنوان "گفتگو کا محور" فرماتے ہیں!

(۱) جو فارمولا جمعیۃ علماء ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کرکے ملک کے سامنے پیش کیا اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں بھی دیا ہے

اس فارمولا کو آپ حضرات نے کم از کم کانگریس سے منوالیا ہے؟ یا نہیں؟

یہ سوال واقع میں پیش ہوا یا نہیں اور یہ ترتیب گفتگو واقعی ہے یا نہیں!!
میں اس سے اس وقت بحث نہیں کرتا مگر کیا یہ عجیب و غریب فلسفہ نہیں ہے
کہ پاکستان کی تحریک اور اس پر غور و خوض اور اس کی تائید و تقویت وغیرہ تو کسی سے
منوائے بغیر جاری کی جائے اور اس کے لئے ہم ہر قسم کی تقریر و تحریر اور جد و جہد
معرض عمل میں لائے جائیں۔ حتیٰ کہ اس کے لئے علامہ عثمانی گوشۂ تنہائی سے
نکلکر میدان تقریر و تحریر میں جوش و خروش کے ساتھ نبرد آزما بنجائیں!! اور
مسجد ضرار (جمعیۃ علماء اسلام) کی بنیادیں استوار کر کے جمعیۃ علماء ہند کے خلاف
نیا محاذ جنگ بناڈالیں! مگر جمعیۃ کے فارمولے پر غور و خوض کرنے اور اس کے
نعم البدل کو تسلیم کرنے کیلئے بار بار کانگریس سے منوانے کا سوال کیا جائے کیا
یہ یک بام و دو ہوا کا معاملہ نہیں ہے؟۔ کیا مولانا کو معلوم نہیں ہے کہ
کانگریس سے منوانے کا فائدہ تو جب ہی ہوسکتا تھا جبکہ خود مسلمان یا مسلمانوں کی اکثریت
اس کو مان لے ملک کے سامنے پیش کرنے کا تو مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اہل ملک
جن کو اس سے تعلق ہے۔ غور کریں کہ یہ فارمولا ان کے لئے بہتر ہے یا پاکستان
کا فارمولا بہتر ہے۔ اگر یہ بہتر ہو تو متفقہ آواز سے اس کے لئے آواز اٹھائی جائے
اور منوانے کی صورتیں عمل میں لائی جائیں ورنہ کوئی فائدہ نہ ہوگا! اس لیے یہ سوال
بالکل بے موقع اور غلط ہے! اور محض الزامی اور اختراعی سوال ہے!!

اس کے بعد ع۲ و ع۳ میں صفحہ ۸ پر جو عبارت مع ع۱ کے ذکر کی گئی ہے
یہ سب مرتب مکالمہ کا طبع زاد مضمون ہے جس کو حسب دعویٰ لب لباب
بتاتے ہوتے پیش کیا گیا ہے صفحہ ۱۸ پر جناب مرتب صاحب زیر عنوان۔

"دو ضروری گذارش"، فرماتے ہیں "لیکن گفتگو کا ملخص اور ضروری

لب لباب جہاں تک ممکن تھا لے لیا گیا ہے"۔

یہ سب مرتب صاحب اور علامہ عثمانی صاحب کے خیال اور رائے اور حافظہ کے ثمرات ہیں! ہم نہ صرف اس کی تصدیق کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں بلکہ دروغ صریح بھی قرار دیتے ہیں۔

صفحہ ۹ کے آخر میں فرمایا جاتا ہے کہ!

"مولانا عثمانی نے فرمایا کہ اس وقت ہم کو پاکستان کی مرکزی حکومت میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی میں کیا تناسب ہے! مولانا حفظ الرحمن صاحب کیطرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہو گی اور غیر مسلم تین کروڑ ہوں گے"۔

یہ عدد بالکل غلط ہیں۔ وہ پاکستان جس کا مطالبہ لیگ کر رہی ہے وہ چھ صوبوں پنجاب، فرنٹیر، سندھ، بلوچستان، بنگال آسام سے عبارت ہے اس کی کل آبادی حسب کاغذات شائع شدہ از گورنمنٹ سنہ ۱۹۴۱ء دس کروڑ ستر لاکھ، چار ہزار، سات سو، تراسی ہے یعنی (۱۰,۷۰,۰۴,۷۸۳) اسمیں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ اکانوے لاکھ ایک ہزار دو سو سات ہے یعنی (۵,۹۱,۰۱,۲۰۷) اور غیر مسلموں کی تعداد چار کروڑ اناسی لاکھ، تین ہزار پانچسو چھیتر ہے یعنی (۴,۷۹,۰۳,۵۷۶) دیکھو صفحہ ۹۸ و ۹۹ کتاب سنس آف انڈیا سنہ ۱۹۴۱ء حصہ اول جلد اول۔ یہ مجموعی تعداد مولانا حفظ الرحمن صاحب کی طرف منسوب کرنا اولاً تو غلط ہی ہے! جبکہ مجموعہ پاکستان کی کل آبادی دس کروڑ سے زائد ہے جیساکہ خود مسٹر جینا نے نمائندہ ڈیلی نیوز لندن اور نمائندہ امریکہ کے سامنے فرمایا تھا۔

ہم خود اصلی عدد مجموعہ آبادی کے ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ دس کروڑ ستر لاکھ سے زیادہ ہیں مگر اس عدد پر جو کہ مولانا حفظ الرحمن صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے

کل آبادی نو کروڑ ہوتی ہے تو نہ کل آبادی صحیح ہوتی ہے نہ عدد تناسب صحیح ہوتا ہے کیونکہ ۶۰ اور ۳۰ کا مجموعہ صرف ۹۰ ہوتا ہے! سو کا عدد پورا ہوتا نہیں!

ثانیاً چند سطروں کے بعد مرتب مکالمہ نے مولانا عثمانی کا مولانا حفظ رحمٰن صاحب پر الزام مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر فرمایا ہے!

"اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہوگی یعنی مسلمان ساٹھ فیصدی اور غیر مسلم چالیس فیصدی ہوں گے"

پھر چند سطر کے بعد اسی صفحہ ۱۰ پر فرماتے ہیں! "اور مسلم لیگ کے پاکستان میں بقول آپکے یہی نسبت علی العکس رہے گی" ہم سخت متعجب ہیں کہ اگر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے یہی عدد ذکر فرمائے تھے تو یہ نسبت آبادی کی کیونکر ہو سکتی تھی؟ اس صورت میں تو نسبت دو تہائی اور ایک تہائی کی ہوتی ہے یعنی دو تہائی ۶۶ فی صدی مسلمان اور ایک تہائی ۳۳ فی صدی غیر مسلم! کیا اتنا حساب بھی علامہ عثمانی کو نہیں آتا تھا جس کو چھوٹا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے — بہر حال یہ عدد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ہرگز نہیں فرمایا اور اگر بالفرض فرمایا بھی تھا تو علامہ عثمانی صاحب کا وہ نتیجہ تناسب کا تو یقیناً غلط ہے!

پھر فرماتے ہیں۔

"علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے۔ مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کئے لیتے ہیں! اور اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں انکو پورے تین کروڑ کر لیا جائے" صفحہ ۱۰۔۹

ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ بالکل خیالی اور افترائی باتوں پر مولانا عثمانی کا مدار ہے جس کو وہ اور مرتب مکالمہ سب سے قوی حجت اور آیات بینات سمجھتے ہیں! یہ اعداد بالکل

جھوٹ اور دروغ صریح ہیں۔ اس لئے جو عمارت مولانا عثمانی نے اس پر کھڑی کی ہے وہ بالکل ناپائیدار ہے !!

یہ شان حضرت علامہ عثمانی کی نہیں ہے! بلکہ یہ کام تو ان یورپ زدہ مسلم لیگیوں کا کام ہے جو لوگوں کو ایسی ایسی غلط باتوں سے ہمیشہ دھوکہ دیتے رہتے ہیں! مگر شاید مولانائے عثمانی اور مرتب مکالمہ اُن کے دھوکوں میں آکر دوسرے لوگوں کو بھی دھوکہ دینے لگے ہیں۔ ہمکو خوب یاد ہے کہ اسی بنا پر اسی مجلس میں مولانا عثمانی کو متنبہ کیا گیا تھا کہ یہ اعداد غلط ہیں تحقیق فرمائیے! مگر چونکہ مقصود لوگوں کو فریب میں مبتلا کرنا ہے! اور حق بات کو تلاش کرنا اور اس پر عمل کرنا مقصود نہیں ہے اس لئے اسی جھوٹے اور غلط عدد پر تمام بنیاد اپنے فخر و مباہات کی کھڑی کر لی گئی۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

خلاصہ یہ ہے کہ مجموعہ پاکستان میں تمام مسلم آبادی تقریباً ۵۵٫۳ ہے اور غیر مسلم آبادی تقریباً ۴۴٫۷ ہے اور جو نسبت مرتب مکالمہ نے قائم کی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی کی نسبت سات اور چار کی ہے وہ محض دھوکہ ہے۔

فرماتے ہیں !

"حالانکہ اس مجموعہ میں مسلمان واقعۃً ستر فی صدی اور غیر مسلم تیس فی صدی ہوتے ہیں"

ہم ناظرین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ غور فرمائیں کہ اس دروغ گوئی کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ اصلی اعداد و شمار سے بے خبر رہکر محض سنی سنائی بات پر کروڑوں مسلم و غیر مسلم کے نتائج کو خود فریبی کے حوالہ کر دیا گیا! اور اس پر یہ فخر و ناز ہے کہ ہر جلسہ اور مجمع میں مکالمہ کو بمنزلہ صحیفہ ملکوتیہ اور آیات منزلہ قرار دیا جاتا ہے !!

اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی جاتی ہے اور لیگی اخبار اور مدیران اخبار

اس کو وحی آسمانی کی طرح اخباروں میں شائع کر کے اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہیں
اس کے بعد مرتب مکالمہ مندرجہ ذیل سرخی دیتا ہے۔

"حضرت علامہ کا سکوت اور حقیقت افروز جواب اور وفد جمعیۃ العلماء کی لاجوابی"

خرد کا نام جنوں رکھدیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپکا حسن کرشمہ ساز کرے

اگر بالفرض (بقول مرتب صاحب کے) وفد جمعیۃ علماء ہند کا قدم قدم پر سکوت اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ہر موقع پر گرج اور حقیقت افروز تقریر کی بنیاد اسی قسم کی لچر پوچ اور ناواقفیت پر مبنی مسائل سے متعلق ہے؟ جس کا اظہار سطور بالا میں ہوا تو یہ سکوت اور خاموشی ہزاروں ایسی حقیقت افروز تقریر وں سے بہتر ہے۔

جواب جاہلاں باشد خموشی!

آپ اگر اس اختراعی شادمانی پر شادمان ہیں تو بلاشبہ آپ کو مبارک ہو

این کار از تو آید و مردان چنین کنند

صفحہ ۱ میں مرتب صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

"مگر علامہ عثمانی نے اس وقت اس سے بھی اغماض کر کے اور ان کے ہی بیان کردہ تناسب کو صحیح مان کر اس پر کلام فرمایا آپ نے کہا کہ اب آپ اپنے فارمولا پر نظر ڈالئے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے۔ آپ کے فارمولا کی رو سے مرکز میں چالیس مسلمان ہوں گے اور چالیس ہندو اور بیس فی صدی میں دیگر اقلیتیں ہوں گی! اس طرح سے آپ کے فارمولا کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فی صدی اور مسلمانوں کی تعداد چالیس فی صدی ہوئی اور مسلم لیگ کے پاکستان میں بقول آپ کے ہی

نسبت علی العکس ہے! یعنی ساٹھ فی صدی مسلمان اور چالیس
فی صدی غیر مسلم ہوں گے!،،

ملاحظہ فرمائیے! دروغ گویم بروئے تو؟ کا معاملہ ہے کہ جمعیۃ کا فارمولا ۴۵ مسلمان
۴۵ ہندو اور ۱۰ اقلیتوں کا تھا۔ اب اس کو اپنی طرف سے بدلکر ۴۰ مسلمان ۴۰ ہندو
۲۰ اقلیتیں بنایا گیا!! اور پھر یہ الزام تراشا گیا کہ اقلیتوں کے ۲۰ نمائندے
چونکہ سب کے سب کافر ہوں گے اس لئے وہ ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ
ہی ملیں گے! لہذا غیر مسلم ممبر مرکز میں ساٹھ ہو جائینگے! اور مسلمان کل چالیس
رہینگے! اس تمام الزام کا مدار دو باتوں پر ہے اول یہ کہ جمعیۃ کا فارمولا چالیس
چالیس بیس کا ہے حالانکہ یہ بالکل بہتان ہے۔ دوئم یہ کہ اقلیتوں کے بیس نمائندے
جو کہ یوریبنوں، اچھوتوں، پارسیوں، سکھوں، عیسائیوں وغیرہ کے ہوں
گے وہ سب ہندوؤں سے ملجائیں گے! کبھی مسلمانوں سے متفق نہوں گے!
حالانکہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سنہ ۱۹۳۱ء میں یہ سب اقلیتیں آپس میں مسلمانوں کیساتھ
ملکر معاہدہ بھی کر چکی ہیں! اسی معاہدہ کے لئے لیگ اور قائد اعظم نے مسلمانوں کے
ساتھ کھلی ہوئی غداری کی تھی اور حسب قرار مسٹر جینا گاندھی جی نے مسلمانوں کے
تمام مطالبات منظور کر لئے تھے پھر بھی جاکر یوریبن گروپ اور دیگر اقلیتوں سے
ملکر ہندوستان اور اس کی اقوام کا گلا گھونٹ دیا تھا! اور کمیونل ایوارڈ کی
مصیبت تمام ہندوستان پر مسلط کر دی تھی! دیکھو ہمارا رسالہ زعمائے لیگ
کی سیاسی غلطیاں) آج بھی بنگال و آسام و سندھ میں یوریبن گروپ اور ہندوستانی
عیسائی لیگیوں کا برابر ساتھ دے رہے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتا تو ان صوبوں میں
لیگ کی حکومت قائم ہی نہ ہو سکتی اور نہ رہتی،،

یہ ہی حالت سنہ ۱۹۳۶ء سے آجتک برابر جاری ہے کیا یہ مرتب مکالمہ کا کھلا ہوا

واقعات پر پردہ نہیں ہے ؟ کیا اسی صورت میں بیس اقلیتوں کو سیاسی مفادات
کی خاطر مسلمان اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے ! جیسا کہ آئے دن سیاسی گروہوں میں
ہوتا رہتا ہے ! وہاں الکفر ملۃ واحدۃ کا مظاہرہ کیوں نہیں ہوتا ؟ یونینسٹ
پارٹی کرشک پرجا پارٹی میں کیا غیر مسلم افراد بڑی تعداد میں نہیں ہیں ؟ جو کہ سالہا
سال سے وزارتیں چلا رہے ہیں ۔ سر چھوٹو رام مجیٹھیہ وغیرہ کانگریسیوں کی خلاف
کیوں مسلمانوں سے مل کر وزارتیں چلاتے رہے اور خود مسلم لیگ کیوں سندھ
اور صرف اقلیتوں کیساتھ ملکر وزارت چلاتے رہے ؟ بہر حال یہ خیالی فلسفہ مرتب
مکالمہ کا واقعات اور تاریخ کے خلاف اور سیاسی نظریات کی (جن کی بنا پر سیاسیات
کی گاڑیاں چلتی ہیں) بالکل ضد ہے ! اس لئے حدیث شریف " الکفر ملۃ
واحدۃ " کی سند لینا خود اپنے قول و عمل کے بالکل خلاف ہے "
پھر مرتب صاحب کا ارشاد ہے !

" حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستر فی صدی اور
تیس فیصدی کا ہوتا ہے ! اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ آپکو
اس فارمولا سے کیا فائدہ پہونچا ! ہم اگر ساٹھ فی صدی رہتے ہوئے
بھی کچھ نہیں کر سکتے تو چالیس فی صدی کیا کر سکینگے ! "

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ مرتب مکالمہ نے اپنے خیال
اور واہمے سے یا کسی لیگی کے دھوکہ میں آکر یہ غلط خیال باندھ لیا ہے ! کہ پاکستان
میں مسلم آبادی ستر فی صدی اور غیر مسلم تیس فی صدی ہے اور اسپر اپنی تمام مجنونانہ
بڑ کی بنیاد رکھتا ہوا لن ترانیاں ہانک رہا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات
ہے جو کہ سرکاری کاغذات کے از سر تا پا خلاف ہے صحیح اعداد و شمار وہ ہیں جو کہ
ہم نے اوپر ذکر کئے ہیں !

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مختصر طور پر ہر دو فارمولا کے درمیان مقابلہ کر کے ہر ایک کے درمیان نفع اور نقصان کو ظاہر کریں! (تفصیلی نقصان و ضرر حریت اخبار دہلی اور نئی زندگی الہ آباد اور متعدد پمفلٹوں میں شائع کر دئے گئے ہیں ان کو دیکھئے!) اس لئے عرض ہے!

پاکستانی فارمولے کی نقائص

(۱) چونکہ پاکستانی صوبہ جات کے علاوہ باقی ماندہ صوبہ جات وغیرہ کے بسنے والے مسلمانوں کی تعداد سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں تین کروڑ انتیس لاکھ چھپن ہزار، آٹھ سو، نواسی ہے یعنی! (۳,۲۹,۵۶,۸۸۹) اور ان کے مقابل غیر مسلموں کی تعداد ستائیس کروڑ چھیانوے لاکھ، باسٹھ ہزار، چالیس ہے یعنی (۲۷,۹۶,۶۲,۰۴۰) اسلئے ہند و ہندوستان یعنی اقلیت والے صوبوں اور غیر پاکستانی علاقہ میں مسلمانوں کا تناسب حسب ذیل ہو جاتا ہے مسلمان ۱۱٫۷ غیر مسلم ۸۸٫۳ بنا بریں ہندوستان کے اس تمام حصہ کے مسلمان ایک ایسی غیر مؤثر اقلیت میں آجاتے ہیں کہ جس کی کوئی آواز باقی نہیں رہتی اور تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمان بالکل بے دست و پا اور ہند و ہندوستان میں ہندوؤں کے محض رحم و کرم کے محتاج ہو جاتے ہیں!

پھر حسب تصریحات جنرل سکرٹری لیگ نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب

"ہند و بھارت ورش میں مہا بھارت کے زمانہ کی تہذیب و تمدن اور سنسکرت زبان پھیلانا چاہتا ہے"

پھر مقاصد تقسیم ملک پر تقریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں!

"ہندو بھی آزاد ہوں مسلمان بھی آزاد ہوں ہندوؤں کی حاکمانہ اور خود

مختارانہ حیثیت ہو ہندو اپنی تمناؤں اور اپنی روایات کے مطابق ترقی کرسکیں! اور مسلمان اپنی روایات اور تمناؤں کے مطابق! دونوں منقسمہ حصوں میں داخلی طور پر خود مختار و آزاد حکومتیں قائم کی جائیں! ان کے خود مختار اور آزاد علیحدہ علیحدہ مرکز ہوں!،،

(دیکھو خطبہ صدارت پولیٹیکل کانفرنس شاہجہانپور ۱۹۴۰ء)

اور اخبار منشور مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۴۵ء قائد اعظم کی پاکستانی تقریر میں مندرجہ ذیل الفاظ درج کرتا ہے

"مسلمانوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ جہاں انھیں اکثریت حاصل ہے وہ وہاں اور جہاں ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہے وہ اپنے رنگ میں اپنی مرضی کے مطابق عمل پیرا رہیں! ہر قوم اپنے فلسفہ، اپنے اعتقاد اور اپنے کلچر کے مطابق کام کرے! اقلیتوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا جائے گا! خواہ وہ ہندو حلقہ کے مسلمان ہوں یا مسلم حلقوں کے ہندو ہوں جو کچھ ہندو صاحبان مسلم حلقوں میں ہندو اقلیتوں کے لئے طلب کریں گے وہی ان کو اپنے حلقوں کی اقلیتوں کو دینا ہوگا"

ان تصریحات کے بعد جبکہ مسلمان ان غیر پاکستانی صوبوں میں ایسی غیر مؤثر اقلیت رکھتے ہیں کیا جذب و ادغام یا بالفاظ دیگر شدھی و ارتداد سے بچ سکیں گے؟ اور کیا ہندو ہندوستان میں ہندوؤں کی تمنائیں اور روایات پوری طرح سے بار آور نہ ہوں گی؟ اور کیا ان کے برلانے کے زیادہ سے زیادہ امکانات ان کو حاصل نہ ہو جائیں گے؟ ہندو اپنی متعصبانہ روش اور اپنے قدیمی میلانات کے لئے پورا آزاد نہ ہوگا؟ خصوصاً حسب تصریحات ارباب لیگ جبکہ "اپنی تمناؤں اپنی روایات اپنے رنگ میں اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرنا،، یہ اصول

تسلیم کرلیا گیا اور یہی تقسیم ملک کی بنیادی شرط قرار پا گئی! مسلم اقلیت کے برعکس ہندو پاکستانی علاقوں میں اول تو موثر عددی اقلیت یعنی ۴۴ فیصدی سے زائد رکھتا ہے اور ثانیاً دولت و سرمایہ تجارت تعلیم تنظیم اور قوت کا ایسا جامع ہے کہ اس کو تحفظ کی حاجت نہ ہوگی ۔ وہ بغیر تحفظ کے نہ صرف خود کو زندہ رکھ سکے گا بلکہ وہ برابر وہاں ترقی بھی کر سکے گا ۔ اور جب چاہے گا حکومت میں ڈیڈ لاک اور جمود بھی پیدا کر سکے گا ۔ بخلاف غیر پاکستانی علاقہ کی مسلم اقلیت کے کہ وہ ہر طرح عاجز اور مجبور اور اکثریت سے متأثر بلکہ ان کے رنگ سے رنگین نظر آئیگی اور یہی وجہ ہے کہ قائداعظم نے کانپور میں اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ فرمائے تھے ۔

"میں مسلم اکثریت کے ساڑھے سات کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر مسلم اقلیت والے صوبوں کے ڈھائی کروڑ مسلمانوں کو قربان کر کے ان کی مراسم تجہیز و تکفین ادا کرنے کو تیار ہوں"

(مدینہ ۹ جولائی ۱۹۴۴ء)

(نوٹ) ناظرین غور فرمائیں بلکہ خود قائداعظم اس بیان میں کسقدر دروغبافی اور لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کا کام انجام دے رہے ہیں ۔ پاکستانی مسلمانوں کی تعداد ساڑھے سات کروڑ ذکر فرماتے ہیں اور حالانکہ وہ پانچ کروڑ اکیانوے لاکھ ہیں اور اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں کی تعداد ڈھائی کروڑ ذکر کرتے ہیں حالانکہ وہ تقریباً ساڑھے تین کروڑ ہیں !

این خانہ ہمہ آفتاب است؟

نیز احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں!

"اقلیت والے صوبوں پر جو گذرتی ہے گذر جانے دو لیکن آؤ ہم

اپنے ان بھائیوں کو آزاد کرادیں جو اکثریت کے صوبوں میں ہیں
تاکہ شریعت اسلامی کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کرسکیں"
(ایمان لاہور مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء پاکستان نمبر)

(نوٹ) ناظرین اس پر بھی غور فرمائیں کہ اہل احمد آباد کو دھوکہ دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ شریعت اسلامی کے مطابق پاکستان میں آزاد حکومت قائم کریں گے حالانکہ نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کے سامنے اور دوسرے بہت سے بیانوں میں قائداعظم اور ان کے جنرل سکرٹری اور دیگر ذمہ داران لیگ شرعی اسلامی حکومت کا انکار کر چکے ہیں اور موجودہ ڈیماکریسی کے طرز کی حکومت کا وعدہ بھی کر چکے ہیں جس پر ان کے افعال واقوال خوب روشنی ڈالتے ہیں۔

غرضیکہ پاکستانی فارمولا میں اقلیت والے صوبوں کی مسلم آبادی کو جوکہ تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں پر مشتمل ہے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ان کی جان، مال، مذہب کلچر، زبان، تجارت، صنعت وغیرہ سب کے سب خطروں میں ڈالدئے گئے اور ببانگ دہل کہا گیا کہ پاکستانی مسلمانوں کی آزادی کے لئے جوکہ ۵ کروڑ اکیانوے لاکھ ہیں تین کروڑ انتیس لاکھ مسلمانوں کو جوکہ غیر پاکستانی ہیں بھینٹ چڑھادو! ہندوؤں کو اپنے دیرینہ مقاصد اور دلی ارادے پورے کرنے کا موقعہ دیدو یعنی وہ ان مسلمانوں کو اسپینیوں کی طرح مظالم کا شکار کرکے یا ان کو شدھی کرلیں یا ان کو صفحہ وجود سے مٹا ڈالیں!

وہ مسلمان جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم اور قابل وقعت بتلاتے ہیں اس کے تین کروڑ انتیس لاکھ سے زیادہ افراد کو من مانی کارروائی عمل میں لاکر لقمہ مقاصد خبیثہ بنا ڈالیں! یا ارتداد کی تیرہ وتاریک کوٹھڑیوں کے نذر کردیں! یا اس کی جان ومال عزت وآبرو، اور

عیال کو جس کی عظمت اور بڑائی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں ”لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل رجل مسلم“ (ترجمہ) تمام دنیا کا نیست و نابود ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم اور ادنی ہے اور فرماتے ہیں ”کل المسلم علی المسلم حرام دمہٗ ومالہٗ وعرضہٗ (ترجمہ) مسلمان کی ہر چیز خواہ اس کا خون ہو یا مال یا آبرو، دوسرے مسلمان پر حرام ہے“ انتہائی مشکلات میں ڈال کر تباہ و برباد کر دیں!

(۱) مسلم لیگی ہندؤں کے عزائم کا رونا آئے دن اپنی تقریروں اور تحریروں میں رویا کرتے ہیں اور ان ہولناکیوں سے ڈراکر ہی بر خود غلط علاج پاکستان ضروری قرار دیا کرتے ہیں۔

اگر پاکستانی فارمولا میں اور کوئی خرابی نہوتی بلکہ صرف یہی خرابی ہوتی تو وہ اس کے رد کرنے کے لئے نہ صرف کافی تھی بلکہ ضروری بھی تھی! چہ جائیکہ اس کے علاوہ اور بھی شدید ترین خرابیاں ہیں جن کو ہم آئندہ ذکر کریں گے!

یہاں پر یہ سبز باغ کہ ہندو قلمیت والے صوبوں میں جو معاملات | اقلیت کے صوبوں میں ہندو جو کریں گے اس کا پاکستانی صوبوں میں جواب دیا جائیگا

مسلمانوں کے ساتھ عمل میں لائیں گے وہی عمل مسلمان اپنی اکثریت والے صوبوں میں ہندو اقلیت کیساتھ کریں گے، بالکل دھوکہ ہے! جبکہ پاکستانی صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت صرف پانچ اعشاریہ تین سے ہے یعنی وہ ۵۴ اعشاریہ تین ہیں اور ان کے مقابلہ میں غیر مسلم اقلیت فی صدی صرف پانچ اعشاریہ سات ہے یعنی وہ ۴۴ اعشاریہ سات ہیں۔ تو مسلمان اپنی اتنی تھوڑی سی زیادتی سے ایسی مؤثر اور نمایاں اقلیت کو ہرگز ہرگز مجبور نہ کرسکیں گے! بالخصوص جبکہ ان صوبوں

میں غیر مسلم قومیں مال تجارت، تعلیم، صنعت، زمیں داراہی، پروپگنڈہ پریس وغیرہ کی حیثیت سے نہایت زیادہ بڑھی ہوئی ہیں ایسی عدوتوں ہیں تو بسا اوقات اکثریت کو اپنی پگڑی سنبھالنی بھی دشوار ہو جائے گی اور ہمیشہ خطرہ ہوگا کہیں ہماری کثریت ہی فنا ہو جائے ورنہ کم از کم ڈیڈلاک اور جمود کا بھوت تو ہمیشہ سوار ہی رہیگا بخلاف مسلم اقلیت والے صوبوں کے کہ وہاں مسلم اقلیت تقریباً گیارہ فی صدی ہوگی۔ وہ اپنی عددی اقلیت اور دیگر کمزوریوں کی وجہ سے ایوان حکومت اور اکثریت کو کسی طرح بھی مجبور نہ کر سکے گی! اور نہ اس کا واک آوٹ کرنا ڈیڈلاک پیدا کر سکیگا! اس کی آواز نہایت کمزور آوز ہوگی علاوہ ازیں یہ کونسا عدل ہوگا کہ مجرم یوپی کا غیر مسلم ہو اور ہم بدلہ پنجاب کے بے قصور غیر مسلم سے لیویں۔ اس کی اجازت نہ کوئی قانون دیتا ہے نہ کوئی مذہب!

یہاں پر یہ کہنا کہ دو قلت والے صوبوں میں غیر مسلم اکثریت کو وہی تحفظات دینے ہوں گے جو کہ وہ اپنی اقلیت کیلئے پاکستانی صوبوں میں طلب کریں گے! کیونکہ انکو اپنی اقلیت کیلئے بھی ویسے ہی خطرات درپیش ہوں گے جو کہ ہم کو غیر مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلم اقلیت کے لئے درپیش ہیں!"

سبز باغ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کیونکہ پاکستانی صوبوں میں غیر مسلم اپنی مؤثر اقلیت اور مؤثر تمول اور سرمایہ داری و تعلیم وغیرہ کی بنا پر تحفظ کا محتاج ہی نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو معمولی درجہ کا ہوگا! بخلاف مسلمانوں کے کہ اُن کو اپنی اقلیت والے صوبوں میں بہت زیادہ تحفظ کی شدید ضرورت ہوگی۔ غیر مسلم پاکستانی علاقوں میں بغیر سیف گارڈ آرام سے بسر کر سکیگا مگر مسلمان غیر پاکستان میں قدم قدم پر سیف گارڈ کا محتاج ہوگا! نیز اپنی حق تلفیوں اور مظلومیتوں کے اثبات میں انتہائی کمزور ہوگا۔ بخلاف پاکستانی غیر مسلم کے کہ وہ اگر بر کا کبوتر بھی بننا چاہے گا تو بخوبی کامیاب ہو سکیگا۔

جمعیۃ کے فارمولا کی رجحانیت دربارۂ امور مذکورہ بالا

جمعیۃ کے فارمولا پر چونکہ صوبہ جات میں داخلی امور میں مکمل آزادی تسلیم کی گئی ہے اور غیر مصرحہ اختیارات بھی ان ہی کو دیئے گئے ہیں اس لئے مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلم اکثریت کو کسی قسم کا اندیشہ اپنے مذہب، کلچر، زبان، وغیرہ کے متعلق اصل سے ہی نہ ہوگا! وہ اسی طرح قابل اطمینان رہیں گے جس طرح پاکستان بننے کی صورت میں ہوں گے علی ہذا القیاس اقلیت والے صوبوں میں داخلی امور میں مسلمانوں کی تعداد حسب آبادی معتبر ہوگی! یعنی یوپی میں تقریباً ۱۶ فی صدی اور اور بہار میں ۱۴ یا ۱۵ فی صدی وغیرہ! مگر مرکز میں مسلمان ۲۷ فی صدی ہوں گے کیونکہ ۱۹۴۱ء میں مسلمانوں کی آبادی کی حیثیت سے یہی تناسب ذکر کیا گیا ہے نیز مجموعہ ہندوستان کے اس ایک مرکز میں جو کہ تمام ہندوستان کا فیڈرل مرکز ہوگا مسلمان چوتھائی سے زیادہ ہوں گے۔ جو کہ مؤثر اقلیت ہے! کیونکہ حسب تصریحات رپوٹ مردم شماری ۱۹۴۱ء جملہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مردم شماری (۲۷) فی صدی تسلیم کی گئی ہے! لہٰذا اگر مرکز میں مسلمانوں کو کسی قسم کی مراعات نہ بھی دی جائیں تب بھی وہ ایسی مؤثر اقلیت میں ہوں گے جس کی وجہ سے مخالفت کے وقت میں ڈیڈلاک پیدا کر سکیں گے! اور اگر ان کو حسب قانون موجودہ مرکز میں ایک تہائی سیٹیں دیدی گئیں تب تو وہ تینتیس ۳۳ فی صدی کے مالک ہو کر زیادہ تر قوی ہو جائیں گے! اور اگر جمعیۃ کے فارمولا کے مطابق ان کو مرکز میں ۴۵+۴۵+۱۰ سیٹیں دی گئیں تو مسلم سیٹیں نہ صرف بھاری مؤثر اقلیت میں ہوں گی بلکہ وہ اس کا بھی امکان رکھ سکیں گی کہ جد وجہد کر کے غیر مسلم اکثریت کو بھی دبا سکیں یعنی اگر وہ سیاسی جد وجہد کر کے دیگر اقلیتوں میں سے پانچ بھی سیٹیں اپنے ہمخیال بنا لیں گے جیسا کہ عیسائیوں اچھوتوں وغیرہ کیسا تھ مشاہدہ ہے

تو وہ صرف اقلیت ہی سے نہ نکلیں گی بلکہ مرکز میں بھی اکثریت حاصل کرسکینگی اور سیاسی جد و جہد روز افزوں ترقی پذیر ہوگی ۔

اور یہ سب کچھ اس صورت میں ہو سکے گا کہ ملک کی تقسیم مذہبی منافرت پر نہ ہو اور ایک مرکز تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ صوبہ جات خود مختار تسلیم کر لئے جائیں! اور مرکز میں مسلمانوں کی اقلیت کا مداوا ایسا مضبوط تحفظ ہو! جو ہر طرح اکثریت کے رحم و کرم سے محفوظ رکھکر اس کو من مانی ترقی کا موقعہ نصیب کرے اور یہی وہ تحفظات ہیں جنکو علی سبیل العدل جمعیۃ علماء کے فارمولا میں ذکر کیا گیا ہے!

ایک خطرہ اور اس کا جواب یہاں پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ پاکستانی فارمولا میں مرکز میں مسلمان اگرچہ ۷۵ اعشاریہ کی ہی اکثریت میں ہوں گے مگر ان کی مجازی (اکثریت) بہرحال قطعی اور یقینی ہے! بخلاف جمعیۃ کے فارمولا کے کہ ان کی اکثریت صرف محتمل ہوگی! اور جب ہی متحقق ہو سکے گی جب کہ مسلمان اپنی جد وجہد میں کامیاب ہو کر دوسری اقلیتوں کو توڑ لیں ۔ تو عرض یہ ہے کہ محترما! پاکستان میں تمام مسلم ممبران کا متفق ہونا بھی یقینی نہیں ہے! غیر مسلم پارٹیاں سیاسیات میں بسا اوقات مسلمان ممبروں کو جذب کر لینے میں کامیاب ہو جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ کرشک پرجا پارٹی اور یونینسٹ پارٹی وغیرہ کی حالت مشاہد ہے! اس لئے یہ مفروضہ کہ اکثریت کے صوبوں میں تمام مسلمان ایک ہی پارٹی میں کام کریں گے تجربہ کے خلاف ہے اور اسمیں مسلم و غیر مسلم دونوں ایک ہیں! اس لئے ایسی جمہوری حکومت میں جو کہ یورپین طریقوں پر نشو و نما پائیں گی اور جنکی پرزور تائید قائد اعظم فرماتے ہیں اور انھیں کے قائم کرنیکا اعلان کرتے ہیں انکا کامیاب ہو جانا اگر یقینی نہیں ہے تو قریب بیقین ضرور ہے

قائد اعظم نمائندہ نیوز کرانیکل لندن کو بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؛

رد پاکستان کی حکومت جمہوریت کے طریقہ پر ہوگی ۔ ہندو اور مسلمان

اپنی آبادی اور مردم شماری کی حیثیت سے رائے شماری کرکے فیصلہ صادر کرینگے! اور وزارتوں اور لیجسلیچر (قانون سازی) میں سب حصہ دار ہوں گے

(مدیر مدینہ بجنور مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان)

اسکی مزید تفصیل ۸ر نومبر ۱۹۴۵ء ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں!

(۱) پاکستان ایک جمہوریت ہوگا اور جداگانہ علاقوں (شمال مغرب حصہ پنجاب، سندھ وغیرہ اور شمال و مشرق حصہ بنگال و آسام) پر مشتمل ہوگا اس کی آبادی دس کروڑ مسلمانوں اور غیر مسلموں پر مشتمل ہوگی صوبے عصر حاضر کے فیڈرل دستور کے مطابق خود مختار ہوں گے

(عـ۲) پاکستان کی بڑی صنعتیں اور کارخانے سوشلزم کے اصول پر (قوم حکومت) کے قبضہ میں دیدئے جائیں گے!

(عـ۳) پاکستان کے تمام ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، ایک قوم کے اصول پر ترقی کرینگے

(عـ۴) ہندوؤں کے خلاف کسی قسم کی معاشرتی پابندی یا رکاوٹ نہ ہوگی! بلکہ ہندوؤں کیساتھ انسانی مساوات اور اخوت کے اصول پر کام کیا جائے گا، انھیں مسلمانوں کی برابر حصہ دیا جائے گا اور مسلمانوں کا بھائی سمجھا جائے گا!

(عـ۵) پاکستان میں ایک مسلم پارٹی کی تنہا اقتدار اور حکومت نہ ہوگی!

(عـ۶) بلکہ اپوزیشن کی غیر مسلم جماعت انکی اصلاح کیلئے موجود رہیگی اور غیر مسلموں کو

(عـ۷) انھیں یہ محسوس کرادیا جائیگا کہ حکومت میں ان کا ہاتھ کام کررہا ہے اور ان کی نمائندگی موجود ہے اور ان کے حقوق محفوظ ہیں!

(مدینہ ۷ار نومبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان ۱۰ار نومبر ۱۹۴۵ء)

اور ۲۳ار ستمبر ۱۹۴۵ء کو علیگڈھ یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے جنرل سکرٹری مسلم لیگ نوابزادہ صاحب نے فرمایا!

"ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کیا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ وہ جمہوریت ہوگی اس کا دستور اساسی اس کے باشندے خود اپنے دستور سازوں کے ذریعہ بنائینگے! اور ان اداروں کی تشکیل وہ خود کریں گے "

(منشور ۲۶ار ستمبر ۱۹۴۵ء)

اور میاں بشیر احمد صاحب رکن ورکنگ کمیٹی لیگ۔ لاہور کے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں!

"ہمارے قائداعظم بار بار کہہ چکے ہیں کہ پاکستان میں بلا لحاظ مذہب عوام کی حکومت ہوگی پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کو (مسلمانوں کے ساتھ) برابری اور آزادی دیجائے گی

(منشور ۱۱ار نومبر ۱۹۴۵ء)

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد کیا ایک منٹ کیلئے بھی یہ تجویز کیا جاسکتا ہے کہ پاکستانی فارمولا میں مختلف سیاسی پارٹیوں کا بننا لازم نہیں ہے!! اور نہ صرف مسلم پارٹی ہی برسراقتدار ہمیشہ رہ سکتی ہے وہاں صرف اکثریت کی حکومت ہوگی جو پارٹی بھی اس کو حاصل کرے وہ ہی برسراقتدار رہا کریگی! خواہ خالص مسلمان ہوں یا مخلوط! ایسی صورت میں ہمیشہ مسلم اکثریت کا ہونا ایک خواب وخیال سے زیادہ نہ ہوگا! ہاں یہ امر البتہ یقینی ہوگا کہ صرف غیر مسلم کبھی اکثریت میں نہ آسکینگے اور اگر ہم اس کو فرض کرتے ہوئے تسلیم بھی کرلیں کہ لیگ کے فارمولا میں مسلم اکثریت کا اقتدار یقینی ہے، اور جمعیۃ علماء کے فارمولا میں مسلمانوں کی اکثریت مرکز میں یقینی نہیں ہے بلکہ یقین ہے

کہ حسب قاعدہ الکفر ملۃ واحدۃ سب کے سب ملجا یا ہی کریں گے حالانکہ مشاہدہ کے خلاف ہے تو غایۃ مافی الباب ملنے کے بعد تمام غیر مسلم ممبر حسب فارمولا جمعیۃ پچپن فی صدی ہی رہیں گے اور مسلمان پنیتالیس فی صدی رہجائیں گے تب بھی وہ مفاسد عظیمہ جن کا وقوع پاکستانی فارمولا میں یقینی ہے ان کے مقابلہ میں جمعیۃ کے فارمولا کا مفسدہ اھون البلیتین کا درجہ رکھتا ہے خصوصاً جبکہ مرکز میں جمعیۃ کے فارمولا میں مذہبی تحفظ بھی مذکور ہے - یعنی وحدت مرکز کی صورت میں مسلمان اپنی مجموعی تعداد کی بنا پر جملہ ہندوستان میں اس طرح غیر محفوظ ہرگز نہیں ہو سکیں جس طرح تقسیم ہندوستان کی صورت میں ہوں گے اور نہ اُن کی آواز اس طرح ضعیف ہوگی جس طرح تقسیم کیصورت میں ہوگی

ستائیس فی صدی کی حیثیت گیارہ فی صدی کی حیثیت سے نہایت زیادہ قوی ہوگی جو کہ اکثریت کیلئے ڈیڈلاک پیدا کرنیکی طاقت بھی رکھتی ہے - نیز وہ عداوت وتنفر نہ ہو سکے گا جو کہ تقسیم کی صورت میں رونما ہو رہا ہے اور تحفظات کی عمدہ سے عمدہ اور قوی سے قوی صورتیں نکالنا اور ان کے لئے جدوجہد ہر ہندوستانی کا فریضہ قرار دیا جائے گا!

نیز وحدت ہندوستان کی صورت میں جو قوت مجموعی حیثیت سے تمام ہندوستان کو حاصل ہوگی وہ تمام باشندگان ہند کے لئے ہوگی جس میں مسلمان بھی اپنے حقوق کے مطابق زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے! نیز اس کے مقابلہ میں یہ خطرہ کوئی حیثیت نہیں رکھیگا جس کی تفصیل ہم عنقریب پیش کریں گے!

(۲) پاکستانی فارمولا کی بنا پر چونکہ غیر مسلم اقلیتیں تقسیم کی مخالف ہیں اس لئے پاکستانی حکومت کو کبھی چین سے حکومت کرنے نہ دیں گی - مغربی پاکستان میں، سکھ جاٹ ہندو ہمیشہ بدامنی اور اضطراب پھیلاتے رہیں گے - بالخصوص سکھ جنکی معاندانہ عملی اور قولی

تباہ کن کارروائیاں آئے دن ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور جن کی تنظیم اور عزائم آج بھی آپ کے سامنے ہیں اور جن سے پنجاب آئے دن دو چار ہوتا رہتا ہے! مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کی وہ انقلابی پارٹی پاکستانی حکومت کو کب چین لینے دیگی۔ جس نے تقسیم بنگال کے زمانہ میں کیا کیا نہیں کیا؟ اور جس کی وجہ سے حکومت برطانیہ کو دارالسلطنت کلکتہ سے دہلی منتقل کرنا پڑا! اور پھر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کو منسوخ کرنیکے بعد امن و امان کی نوبت آسکی! مگر جمیعۃ کے فارمولا میں ایسے خطرات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے!

(۳) پاکستانی فارمولا میں پاکستانی مرکز کو ڈیفنس اور فوجی مصارف کا ایسا عظیم الشان بوجھ اٹھانا پڑیگا جس سے پاکستانی باشندے کسیطرح عہدہ برا نہیں ہو سکینگے! ہر دو پاکستانی علاقے ان ہندوستانی حدود پر واقع ہیں جن سے ہمیشہ بیرونی قومیں ہندوستان میں داخل ہوتی رہی ہیں اور آج بھی انہیں سے روس و چین وغیرہ کے خطرات وابستہ ہیں اس لئے ان حدود کا تحفظ - اس کے لئے ہر قسم کی تیاری، زمانہ موجودہ کی تکمیل، افواج کا مکمل اور کافی انتظام! یہ ایسے امور ہیں جن کے مصارف سے آج بڑی سے بڑی حکومتیں لرزہ براندام اور پریشان ہیں۔ پاکستانی مرکز ایسے بھاری مصارف کا بوجھ اپنے ضعیف کندھوں پر کیسے اٹھا سکیگا بالخصوص جبکہ پنجاب کا وہ مشرقی علاقہ جس میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور اسی طرح بنگال کا وہ مغربی علاقہ جس میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں نکالدیا جائے۔ بخلاف جمیعۃ کے فارمولا کے کہ۔ ڈیفنس کا تمام بار پورے ہندوستان پر ہوگا! نیز بیرونی تعلقات (فارن پالیسی) کے مصاریف ثقیلہ موجودہ زمانے میں معمولی نہیں ہیں اُن کے بوجھ کا اٹھانا بھی پاکستان کے کندھوں کے لئے ناممکن ہوگا!

(۴) پاکستانی فارمولا کی بناء پر ہندوستان تقسیم ہوکر نہایت کمزور مدافعت کا مالک بن سکیگا! کیونکہ اولاً تقسیم ہوکر اصل قوت ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی

ثانیاً پاکستانی علاقہ قلت مال اور قلت زرخیزی کی بنا پر اتنا سامان جنگ اور اتنی افواج مہیا نہیں کر سکے گا جتنی کہ اس کو ضرورت ہوگی! اسکو داخلی امن و امان کے لئے بھی بڑی افواج کی ضرورت ہوگی! اور بیرونی حملوں روس، وغیرہ سے بچاؤ کے لئے بہت بڑے تحفظ کی ہر وقت تیاری کرنی ہوگی!

اسی طرح بنگال میں بھوٹانیوں نیپالیوں کے خطرے ہر زمانہ میں اندر اور چینیوں، جاپانیوں اور امریکنوں کے خطرات باہر موجود رہیں گے! اور جبکہ موجودہ زمانہ میں یورپ کی بڑی سے بڑی آزاد قومیں اور حکومتیں بھی اپنے آپ کو اکیلی سنبھال نہ سکیں تو پھر ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اور پاکستان اس سے علیحدہ ہو کر کیا طاقت پیدا کر سکے گا اور کس طرح اپنی حفاظت کا علمبردار بن سکیگا۔ جمعیۃ کے فارمولا کی بنا پر وحدت مرکز کی وجہ سے اس تمام تیاری کا بوجھ پورے ہندوستان پر ہوگا اور ہندوستان ایک ایسے ڈیفنس کا مالک ہوگا جو کہ یورپین اور ایشیائی اور امریکن ہر طاقت سے مقابلہ کر سکے کوئی طاقت بھی اس کو ترچھی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے اور اگر جمعیۃ کے فارمولا میں فقط یہی ایک بہتری ہوتی تب بھی وہ تمام فارمولوں سے بہتر ہوتا چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں!

ایک شبہ اور اس کا جواب اسجگہ پر کہا جاتا ہے کہ پاکستانی مرکز ہندو ہندوستان کے مرکز سے صلح کرے گا جیسا کہ روس امریکہ اور انگلستان میں ہو۔ اس میں شک نہیں ایسا ہونے سے بہت سی کمزوریاں دور ہو جائیں گی مگر کیا لیگی ذہنیتیں اور ان کے آئے دن کے اقوال و اعمال، تحریریں اور تقریریں اس کی امید دلاتی ہیں؟ جبکہ انھوں نے ہمیشہ اس تحریک کو ہندوؤں سے تنفر اور عداوت اور ان کو جبرہ دستیوں اور مظالم پر اور شکایات پر مبنی کیا ہے!! اور جبکہ ہندو اور سکھ بھی اس تحریک کے ردعمل میں اسی منافرت اور نبرد آزمائی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں!

یہاں تو بہ نسبت اس کے قریب تر ہے کہ انگریزی حکومت کے دباؤ سے آزاد ہوتے ہی خانہ جنگی کا وہ زہریلا اور تباہ کن آتشیں بگولہ اُٹھ پڑے جو کہ ہندوستان کے خرمن امن و امان کو صدیوں کے لئے یا سالہا سال کے لئے بھسم کر دے!
اور دیکھئے کہ کسطرح زہریلے کلمات اور آزردہ جملوں سے بھرے رہتے ہیں!

(۵) پاکستانی فارمولا کی بنا پر مسلمانوں کا دونوں کونوں میں مقید ہو جانا اور جملہ شہری حقوق، رسل و رسائل، اقتصادیات تجارات اور دیگر معاملات میں ہندو ہندوستان سے جدا ہو جانا لازم آتا ہے جس سے ہزاروں قسم کی مشکلات مسلمانوں اور غیر مسلموں کو پیش آ جائیں گی! نیز ہر دو حلقوں (مغربی اور مشرقی پاکستان) کے آپس میں انفصال کی بنا پر جس میں یوپی اور بہار کا دراز تر علاقہ فاصل ہوگا طرح طرح کی دشواریوں کا باعث بنجائیگا! بخلاف جمعیۃ کے فارمولا کے کہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کیساتھ اس قسم کی کوئی مشکل درپیش نہ آئے گی!

(۶) اسلام تبلیغی مذہب ہے اور اسی بنا پر اس نے تمام ملکوں میں ترقی کی ہے! پاکستانی فارمولا اس کو غیر پاکستانی علاقوں میں ترقی سے نہ صرف روک دیگا بلکہ خطرہ ہے کہ ان علاقوں سے کہیں اس کے وجود ہی کو ختم نہ کر دے! اور ہندو شدھی اور اپنی پرانی تہذیب کے پھیلانے میں پورا کامیاب ہو جائے۔

(۸) پاکستانی فارمولا پر نہایت قوی احتمال بلکہ یقین ہے کہ ہر دو حصہ ہائے ہندوستان (پاکستان و غیر پاکستان) میں ہمیشہ کے لئے خانہ جنگی قائم ہو جائے اور یہ براعظم ہندوستان آپس میں لڑکر انتہائی کمزوریوں اور بربادیوں میں مبتلا ہو جائے جیسا کہ امریکہ کے اخبار "کامن سنس" میں مسٹر جان گنتھر کا آرٹیکل بتلاتا ہے اقتباس ذیل ملاحظہ ہو!

"اس برطانوی جنلاح باہمی کھیل کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں نمودار ہوا ہے اور یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دو علیحدہ خیالی ریاستوں کا نام ہے

جن کے درمیان باقی تمام ہندوستان پولینڈ کے گلیڈ ور دلانیوالے راستے کیطرح رہیگا۔ ابھی تک تو ذمہ دار مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے لیکن اگر اس اسکیم پر عمل کیا گیا تو ہندوستان میں بھی بلقان بنجائیگا جہاں خانہ جنگیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جائیگا "(مدینہ مؤرخہ ۹ رجون ۱۹۴۳ء)

نیز بمبئی کرانیکل کا خاص نامہ نگار مقیم لندن ۱۹۳۱ء میں لکھتا ہے!

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کیجارہی ہے تاکہ اسکے بعد ہمیشہ ہندوستان میں جھگڑا ہوتا رہے"

ہندو مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت بھی اس کی مؤید اور شاہد ہے۔ بالخصوص وہ ذہنیت جو لیگ کے اقوال و افعال اور اس کے پرسیول لٹریچروں اور ہائی کمانڈ نے پیدا کی ہے اور جس کے رد عمل میں ہندو اور سکھ پریس اور انکی تحریریں اور تقریریں تقسیم ہندوستان کے مستقبل کا پتہ دے رہی ہیں! ایسی حالت میں ہندوستان کی تقسیم انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے اور ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی جنگ اور لڑائی کی موجب ہے بخلاف جمعیۃ کے فارمولے کے! کہ وہ اس نجاست سے بالکل پاک و صاف ہے!

(۹) پاکستانی فارمولا کے مطابق جو حکومتیں بنگال اور پنجاب میں بن سکتی ہیں وہ یقیناً اتنی طاقتور نہیں ہوسکتیں کہ بیرونی سازباز اور ان کی دراز دستیوں کا مقابلہ کرسکیں! نہ ہی یہ اپنے تحفظ کا مناسب بندوبست کرسکیں گی! اور نہ اتنی قوت پیدا کرسکیں گی کہ بین الاقوامی سیاست میں اپنا وقار قائم رکھ سکیں! اس لئے ظن غالب! بلکہ یقین ہے کہ غیر ملکی حکومتوں کی ویسی ہی غلامی میں مبتلا ہو جائیں جیسی کہ آج ہمارے سروں پر مسلط ہے اور اگر ایسا ہوا تو بد ترین بدقسمتی ہو گی،

ترکی حکومت کی یورپین تقسیم، رومانیہ، پولینڈ بلگیریا مانٹی نگرو، سردیہ، یونان وغیرہ کو اور پھر عربی ممالک مصر، شام، فلسطین، عراق، حجاز، یمن وغیرہ کی تقسیم دیکھئے۔ اور

سبق لیجئے! ہمارا فریضہ تھا کہ ہم معاملات کو محض ہندو دشمنی کی عینک سے نہ دیکھیں بلکہ پاکستان کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر کے فیصلہ کریں کہ آیا یہ پاکستانی حکومتیں خود ہمارے لئے باعث رحمت ثابت ہوسکیں گی یا نہیں؟ اس مقام پر یہ کہنا کہ ہندو ہندوستان ان خطرات کی بنا پر پاکستانی حکومتوں سے اتحاد کریگا اور ہمیشہ کے لئے استوار اتحاد دونوں میں قائم ہو جائیگا! واقعات تاریخیہ کیخلاف ہے! ہمارے سامنے نظام حیدرآباد اور مرہٹوں کے واقعات موجود ہیں۔ انھوں نے کمپنی کے جرنیلوں دلارڈ ویلزلی، وغیرہ کے ساتھ ہوکر اور انگریزوں کی تزویری چالوں میں آکر کس طرح سلطان ٹیپو کی نہایت قوی حکومت کو فنا کر دیا! اور اس خطرہ کی پروا نہ کر کے خود کو بھی اور تمام ہندوستان کو بھی برباد کر دیا۔ اسی طرح نواب اودھ نے لارڈ ہیسٹنگس سے ملکر روھیلہ حکومت کو برباد کر کے کس طرح اپنی فنائیت کا گڑھا کھودا اور ہندوستان کو غلامی کے تیرہ و تاریک کنوئیں میں غرق کر دیا!

اس قسم کے ہندوستانکی سابقہ تواریخ میں اس کی بیشمار مثالیں موجود ہیں! ان سے سبق لینا ضروری ہے یہاں پر یہ خیال بھی خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ پاکستانی حکومتیں باہر کی مسلم حکومتوں، افغانستان، ایران وغیرہ کی حلیف بنکر مضبوطی حاصل کرلیں گی۔ کیونکہ معاہدہ سعد آباد کا قریبی واقعہ آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے اور ترکوں کے سابقہ معاہدات ایران وغیرہ کیساتھ کیا نتائج برآمد کر سکے؟ ان سے بھی روشنی حاصل کیجئے!

بہر حال جس قدر جمعیۃ کے فارمولے میں اطمینان بخش مواد موجود ہے پاکستانی فارمولا میں اُن کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے! چنانچہ آج کی دنیا کے پس منظر کے مطابق مارننگ نیوز کا یہ بیان بالکل صحیح

نظر آتا ہے کہ اب نیا تقسیم اور علیحدگی کی مہمل سیاسی پالیسی کو چھوڑنی جارہی ہے
مسلسل تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس جہد للبقار کی دنیا میں صرف طاقتور
زندہ رہ سکتے ہیں کمزور چاہے کتنے ہی حق پرست کیوں نہ ہوں زندہ رہنے کا
حق نہیں رکھتے ،،

(۱۰) تقسیم ہندوستان پاکستانی فارمولا کی بنا پر ہمیشہ کے لئے یا کم از کم ایسی مدت
طویلہ کے لئے جس کی انتہا معلوم نہیں برطانوی غلامی کی رجسٹری ہے۔ جیسا کہ
خود قائد اعظم کو اقرار ہے جیسا کہ ۲۹ر فروری ۱۹۴۴ء کو نیوز کرنیکل لندن کی دعوت
پر پاکستان کے مسئلہ پر بیان دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں!

"اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصہ
کے بعد جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہوگا ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے
اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک
برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے! اس صورت
میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے! آج بھی ہمارا
۵ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں مسلم لیگ کے ماتحت قائم ہیں الخ"

قائد اعظم دو ٹکڑوں کی آپس کی بدامنی کی صورت میں برطانوی تسلط ضروری سمجھتے
ہیں اور تجربہ اور تاریخ دونوں بتاتے ہیں کہ برطانوی تسلط کی صورت میں بدامنی ہونا
لازمی اور لابدی امر ہے۔ نیز جو ذہنیت لیگ کے قوائد نے پیدا کی ہے وہ بھی
اسی کی شاہد عادل ہے! خلاصہ یہ کہ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ کیلئے برطانوی غلامی سطرح
قائم ہو جائے گی کہ اس کے دور کرنے کیلئے کوئی طریقہ کامیاب نہ ہو سکے گا
برطانوی اقتدار نے ہمیشہ سے ہندوستان میں اسی کھیل سے کامیابی حاصل کی ہے اور
وہ اسی کھیل کو اب بھی کھیلنا چاہتا ہے۔ صرف صورت بدلی ہوئی ہے

"دو ہی فتنہ ہے لیکن یہاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے، لیگی قائد اعظم مصر جیسی اندرونی آزادی پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو اپنا نصب العین بناکر ہندوستان کو اسی آزادی میں دھوکہ بد ترین غلامی ہے، ابتلا رکھنا چاہتا ہے اسی کو سنکر ڈاکٹر عبد اللطیف حیدر آبادی اور دوسرے سمجھ داروں کے ماتھے ٹھنکے ہیں! اور انھوں نے بار بار مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ تم غور کرو کہ تمہارے قائد اعظم تم کو کہاں لے جارہے ہیں مگر افسوس کہ مسلمانان ہند اس قدر غافل اور حقائق سے ناآشنا کم سمجھ اور بد نصیب واقع ہوئے ہیں کہ بار بار تجربے کرتے ہیں مگر غفلت اور نادانی دور نہیں ہوتی!

والی اللہ المشتکیٰ غرض جمعیۃ کا فارمولا مندرجہ بالا خطرات سے بالکل منزہ ہے! پاکستان کے متعلق بہت سے بیان اور رسائل شائع ہو چکے ہیں! اور اس پر پوری روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ ہم اسجگہ نہ ان کو نقل کرسکتے ہیں اور نہ ان تفصیلوں میں جانا چاہتے ہیں خصوصاً جبکہ ڈیلی گیشن کے بیانات آچکے اور اس کی اسکیم لیگ اور کانگریس اور ہندوستان کی دوسری سیاسی جماعتوں نے مان لی ہے یقیناً اب اس پر خامہ فرسائی کرنا بے فائدہ ہے! یہاں پر مختصر طور پر صرف یہ دکھلانا تھا کہ موجودہ احوال اور مستقبلہ امکنات میں جمعیۃ کا فارمولا بہترین چیز اور اھون البلایا ہے اس لئے اس پر مسلمانان ہند کو متفق ہونا اور اس کے لئے کوشش کرنا ضروری اور مفید ہے اور بلا شبہ صاحب مکالمہ غلط راستہ پر لیجانا چاہتا ہے خود دھوکہ میں ہے اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں ڈالتا ہے!

پھر مرتب مکالمہ بطور تنقید نوٹ میں فرماتے ہیں۔

"جمعیۃ علمائے کے فارمولا میں یہ بھی مندرج ہے کہ خالص اسلامی مسائل میں دو تہائی مسلمان اگر کسی چیز کے مخالف ہوں گے تو وہ چیز مسلمانوں کیلئے قبول نہیں کیجائیگی۔ اس شرط سے کسی جد

میں مضرامور کا تدارک تو ہو سکتا ہے لیکن خاص مسلمانوں کے حق میں جو ضروری یا مفید ہوں ان کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی کوئی تدبیر نہیں کیونکہ مرکز میں مسلم تعداد چالیس اور غیر مسلم تعداد ساٹھ فی صدی ہوگی ایسی تمام تجاویز غیر مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر رہیں گی اور یہ معاملہ بھی کہ خالص اسلامی مسئلہ کونسا ہے اکثریت ہی کرے گی!

(الف) مندرجہ بالا عبارت میں اولاً تو اس غلط بات کا اعادہ ہے جو دانستہ یا نادانستہ جمعیۃ علماء کے فارمولا کے متعلق مسلم و غیر مسلم کے تناسب کے بارے میں اختیار کیا گیا ہے! نیز غلط فہمی یا کوتاہ اندیشی سے دو متضاد خیالات کا اظہار پایا جاتا ہے ایک جانب یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمعیۃ علماء کے فارمولا میں جس تحفظ کا ذکر ہے وہ مضر امور کا تدارک کر سکتا ہے اور دوسری جانب یہ بھی موجود ہے کہ مسلمانوں کے حق میں جو امور ضروری یا مفید ہوں اُن کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی تدبیر نہیں! اول تو دفع مضرت ہی خود ایک مستقل فائدہ ہے جو اہم اور ضروری شے ہے! دوسرے مسلمانوں کے مفید اور ضروری امور کے لئے کونسا امر مانع ہے؟ اسکے اظہار اور تفصیل کی ضرورت بھی تاکہ معلوم ہو سکتا کہ مسلم و غیر مسلم تناسب کا جو ذکر جمعیۃ کے فارمولا میں ہے اسکے پیش نظر کس طرح مسلمان غیر مسلموں کے رحم و کرم پر رہیں گے!

(ب) کیونکہ یہ اس فرضی اور خیالی عقیدہ پر مترتب ہے کہ تمام اقلیتیں مسلمانوں کیخلاف متحد ہو جائیں گی جو کہ واقعات کیخلاف ہے۔ ہم نے اس پر پوری روشنی ڈالدی ہے!

(ج) اور اگر بالفرض ہو بھی جائے تو وہ صرف ان ہی امور کے متعلق آڑے آسکتا اور متصادم ہو سکتے ہیں جو ان کے لئے مضرت رساں ہو لیکن جو امر مسلمان کے لئے مفید اور ان کے لئے مضرت رساں نہ ہو بنیادی حقوق کے دستوری شرائط کے پیش نظر کوئی اکثریت اقلیت کے مفید مسائل میں متصادم نہیں ہو سکتی!

(د) علاوہ ازیں اگر جمعیۃ کے فارمولا پر امور اسلامیہ کے متعلق یہ خطرہ موجود ہے
تو پاکستانی فارمولا پر بھی (جبکہ ۵ء ۵۵ مسلم ۵ء ۴۴ غیر مسلم کا عدد ہو) امور اسلامیہ کے متعلق
بھی یہی خطرہ ہمیشہ رہیگا! کیونکہ ۵ء ۴۴ کی غیر مسلم اقلیت نہایت مؤثر اقلیت ہے!
اور بقول آپ ہی کے سرمایہ و تعلیم، زمینداری و تجارت وغیرہ کی فوقیت کی بنا پر
مسلم اکثریت پر ہر وقت اثر انداز ہونے کی طاقت رکھتی ہے اس لئے اوّلاً معمولی
اکثریت سے مؤثر اقلیت کو نظر انداز کرکے کسی کارروائی کا کرنا ہی مشکل تر ہوگا!
ثانیاً اگر مسلمانوں میں ایک پارٹی کی جگہ متعدد پارٹیاں ہو گئیں جیسا کہ سیاسیات
میں عام طور پر ہوتا ہے، تو مسلم اکثریت ہی باقی رہنی مشکل ہو جائے گی۔
ثالثاً اگر مسلم اکثریت پائی بھی گئی تو اتنی بڑی اور مؤثر اقلیت کا متفق ہو کر ڈیڈلاک
پیدا کر دینا اور قدم قدم پر متصادم ہونا اس افادیت کے لئے سخت مضرت رساں
ثابت ہوگا اور حصول مقصد دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا! بلکہ موجودہ صوبائی
اسمبلیوں میں سے بنگال کی اسمبلی کا طریق کار صاف بتا رہا ہے کہ یورپین گروپ اقلیت
میں ہونیکے باوجود اکثریت کی حکومت برعکس ان کی حمایت ومخالفت کے رحم
وکرم پر قائم ہے۔ کیا آزاد ہندوستان میں کسی اقلیت کا ایسا موثر ہونا ناممکن ہے
اس لئے حق یہ ہے کہ مرکز میں مسلم اقلیت کے تحفظ کا علاج پاکستان سے بہتر وہی
ہے جو جمعیۃ کے فارمولا میں مذکور ہے!

(ہ) جمعیۃ کا فارمولا چونکہ تمام باشندوں کی مرضی سے بروئے کار لایا جائے گا اس لیے ایسے
خطرات کے وقوع کا امکان بہت ہی کم یا معدوم ہوگا مگر پاکستانی فارمولا میں اس بنا
پر کہ باشندگان ہندوستان کے باہمی تنافر پر اس کی بنیاد رکھی جارہی ہے اور تنفر اور
عداوت کو روز افزوں ترقی کے ساتھ بڑھایا جارہا ہے بہت زیادہ واقع ہونے
کے امکانات ہوں گے بلکہ یقیناً پیش آئیں گے!

(و) چونکہ جمعیۃ کے فارمولا میں صوبوں کی داخلی امور میں مکمل آزادی تسلیم کی گئی ہے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات دیئے جائیں گے جس پر سب صوبے متفق ہوں اور پھر کم سے کم اختیارات دیئے جائیں گے۔ اس لئے ایسے خاص اسلامی مسائل کو مرکز میں جانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی! اور نہ صوبے بااختیار خود ان کو مرکز کو دیں گے مرکز کو تو عام اور مشترک ہی امور دیئے جائیں گے! اور اگر بالفرض کچھ چیزیں اسلام کے خلاف ان کے عام امور میں آبھی گئیں تو ۲/۳ کی اسکیم سے ان کا پورا پورا تحفظ ہو جائے گا! ہاں پاکستانی فارمولا چونکہ ان قیود سے خالی ہے اور چونکہ اسکو جہاد بالسیف کے ذریعہ حاصل شدہ مفتوحہ ملک کی بجائے ڈیماکریسی اور یورپین طرز جمہوریت کے اصول کے مطابق آئین اور دستوری طرز میں بروئے کار لایا جائیگا اس لئے اس پاکستان میں غیر اہم اور معمولی مسلم اکثریت اور غیر مسلم مؤثر اقلیت کے باہمی تصادم کی شکل میں یہ خطرہ بہت زیادہ قریب الوقوع ہوگا جس کا حل اس میں کوئی نہیں ہے!

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اس کے بعد علامہ عثمانی صاحب کا نظریہ اور اعتراض صفحہ ۱۰ کے آخر میں تمام غیر مسلم قوموں کے مسلم آبادی کے خلاف متفق ہو جائے کا، ذکر کیا گیا ہے اور عیسائیوں کا دوسری غیر مسلم جماعتوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جانا دکھلایا گیا ہے۔ تو ہم نے بھی اس کا جواب اوراق سابقہ میں واضح طور پر ذکر کر دیا ہے! جو لائق مطالعہ ہے!

پھر اس کے بعد وہ مشہور اعتراض مندرجہ ذیل عنوان کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے! جو عام طور پر اس وقت پیش کیا جاتا ہے جب پاکستان کے مفید ہونے کے دلائل کی دیوار شکستہ ہوتی نظر آتی ہے! اور وہ یہ کہ۔

"ہندو پاکستان کے خلاف میں کیوں مضطرب ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کا فائدہ ہے ورنہ یہ اضطراب نہ ہوتا چنانچہ فرمایا جاتا ہے!

"اگر پاکستان ہندو کے لئے مفید ہے تو وہ اس کی مخالفت کے لئے اس قدر مضطرب کیوں ہے؟"

یہ اعتراض عام طور پر مختلف عنوانوں سے زبان زد عوام ہے! جس سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ پاکستان اسکیم میں مسلمانوں کا عظیم الشان مفاد اور ہندوؤں کا عظیم الشان نقصان ہے" مگر غور کیا جائے تو یہ معیار ریت کی دیوار سے بھی زیادہ کمزور ہے! اس لئے کہ لیگی مسلمان اور ان کے رہنما عام طور پر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ چونکہ ہندو کے پاس تعلیم اور اقتصادی خوشحالی کافی موجود ہے اس لئے اب وہ انگریزی حکومت کی بجائے آزادی کا خواہشمند ہے۔ تو اس معیار کے مطابق مسلمانوں کے لئے انگریزی اقتدار اور غلامی سرمایہ رحمت ہونا چاہئے! حالانکہ یہ صریح باطل اور قابل نفرت تخیل ہے!۔ بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ پاکستان ہندوؤں کے لئے بعض وجوہ سے مفید ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ انگریزوں کے اقتدار اور مطلق العنانی کے لئے بھی از حد مفید اور مؤید ہے اور اسی لئے لیگ اور مہاسبھا اور قدامت پسند توری انگریز اسکے بہت زیادہ مؤید ہیں چنانچہ ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں بھائی پرمانند وغیرہ مہاسبھائیوں نے اس کی تائید اور تقویت میں بڑے بڑے مضامین اور آرٹیکل لکھے تھے۔ بلکہ بھائی پرمانند نے تو اپنی ایک تصنیف میں ہندوستان میں ہندو مسلم مسئلہ کا واحد علاج ہی تقسیم ہندوستان بتلایا ہے اور ۱۹۳۱ء میں لندن میں توری انگریزوں نے بہت زور سے لیگی لیڈروں میں

"جو کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلہ میں اس وقت گئے ہوئے تھے اور

جنھوں نے رسوائے عالم اقلیتوں کے معاہدہ پر ملت اور وطن سے
غداری کر کے دستخط کر کے کمیونل ایوارڈ کی بنا ڈالی تھی!،،
اس کی نشر و اشاعت اور ترغیبی کارروائیاں کی تھیں بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار کی اس زمانہ کی تحریر اور مسٹر ہلوڈن جج یوپی کا خط ہم بجنسہ نقل کر آئے ہیں! البتہ آزادی خواہ ہندو آزادی پسند مسلمان اور ان کے ہم خیال انگریز اس کے مخالف ہیں نیز حکومت کے پرزے بننے والے انگریز ظاہری طور سے اس کے مخالف ہیں کیونکہ حکومت کی پالیسی اور حکمت عملی اس کے خلاف کہنا ضروری سمجھتی ہے!

اگر وہ ایسا نہ کہیں تو ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگرچہ دل میں اس کی تائید کرتے ہیں بہرحال ہندوستان کی آزادی چاہنے والے ہندو جو کہ سب کے سب کانگریسی ہیں اور تعلیم یافتہ ہندو سیاسی بیداری کی بنا پر تقسیم ہند اور پاکستانی اسکیم کے سخت مخالف ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انگریزی اقتدار کو ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے پٹہ دیدینا ہے اور اس سے خانہ جنگی کا وہ نہ ختم ہونے والا دروازہ کھلتا ہے جس سے ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے قائم و دائم رہنے پر رجسٹری ہو جاتی ہے جس کا اقرار خود قائد اعظم نیوز کرانیکل کے نمائندہ کے سامنے کر چکے ہیں اور ہندوستان کی مصر جیسی آزادی تسلیم فرمائے ہوئے۔ برطانوی فوجی اور خارجی اقتدار کا غیر معین مدت کے لئے ضروری اور لازم ہونا مان چکے ہیں!

البتہ یہ انگریز کی بدقسمتی ہے کہ آج بین الاقوامی حالات یعنی روس کی بڑھتی ہوئی ترقی امریکہ کی روز افزوں اقتصادی بھوک، اور ایسی حالت میں ہندوستان کے اندر خوفناک انقلابی تحریک اور دوسرے سیاسی و اقتصادی حالات نے اس کو مجبور کر دیا ہے کہ جس پاکستان، کو اس نے برسوں دودھ پلا پلا کر جوان کیا تھا آج خود اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ نے پر

آمادہ ہے! گو دل نہیں چاہتا! مگر ماحول کی چاپک زنی اس کے خلاف پر مجبور کررہی ہے اور کس نے دیکھا ہے! کہ ابھی حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں اور ملک کی آزادی اور انگریز کے شہنشانہ اقتدار کی خواہش میں جو اندرونی کشمکش جاری ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ مسلمانوں میں عموماً سیاسی بیداری نہیں ہے وہ حقائق سے ناآشنا ہیں اس لئے وہ اغراض کے متوالوں کے دام تزویر کا شکار ہیں! مگر کانگریسی ہندو عام طور پر بیدار ہو گیا ہے اور اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ تقسیم ہندوستان کی صورت میں ہندوستان ایک ایسا منظم اور قوی ملک نہیں بن سکتا! جو یورپین بڑی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے اور اُنکے مشئومہ اغراض سے محفوظ رہ سکے! وہ اس صورت میں آپس ہی میں الجھ کر رہ جائے گا اور حسب ضرورت ممکن درجہ تک ترقی کرنے کا اس کو موقعہ ہرگز نہ مل سکے گا! بیرونی تجارت و دستکاری اور سازشوں کا مرکز بنا رہے گا۔ اور اس کی آزادی صرف نام کی آزادی ہوگی حقیقی ہرگز نہ ہوگی؛ مگر مسلمان چونکہ عام طور پر بیدار نہیں ہیں اس لئے اس حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور خود غرض لیڈروں کے ذاتی مفادات کا شکار ہیں!

لہذا ہندو کو اس اضطراب میں ڈالنے والا حقیقۃً خود اسکا اپنا نفع ہے۔ مگر وہ نفع نہیں جس کو صاحب مکالمہ بتلاتے ہیں! وہ نفع تو لیگ کے خواجہ تاش (ہندو مہاسبھا کے پیش نظر ہے جو کہ اکھنڈ ہندوستان کے لئے جدوجہد کرتی ہوئی یونٹی سسٹم چاہتی ہے اور فیڈرل سسٹم کی مخالف ہے بلکہ وہ نفع جس کا ذکر ہم نے ابھی تفصیل سے کیا اور جس میں خود مسلمانوں کا نفع بھی مضمر ہے اس لئے وہ پاکستان کی صورت

میں حاصل ہونے والے معمولی فوائد کو نظر انداز کر کے پورے ہندوستان کی وحدت کا خواہشمند ہے جس میں بلاشبہ مسلمانوں کے فوائد ہندوؤں سے بھی زیادہ ہیں۔ اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ فیڈرل سسٹم کے تسلیم کرنے والے جب کہ ہر صوبہ میں داخلی مکمل آزادی اور مرکز کو کم سے کم اور باتفاق رائے مشترکہ اختیارات دینے کے قائل ہیں تو وہ اس الزام کے ہرگز مورد نہیں ہو سکتے کہ وہ مسلمانوں کو ڈبل غلامی کا شکار کرنا چاہتے ہیں یہ الزام سرتاسر دھوکہ اور فریب ہے! البتہ قائد اعظم مسلم لیگ کی تقریر کی پیش نظر مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی ضرور صاف اور صریح طور پر ڈبل غلامی کا شکار ہو جاتی ہے اور مستزاد یہ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی ان کو کوئی اہم اکثریت نصیب نہیں ہوتی اس مقام پر یہ ذکر کرنا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جواب میں کوئی معقول بات نہیں کہی اور فرمایا کہ دکوئی مصلحت ہوگی! دیعنی ہندوؤں کے پاکستانی اسکیم کی مخالفت واضطراب میں) اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا اور پھر چند سطروں کے بعد یہ کہنا کہ ،،علامہ عثمانی نے کئی بار اس چیز کو ان لوگوں سے پوچھا مگر ادھر سے کوئی شافی جواب نہ آیا،، محض جھوٹ اور افترا پردازی ہے! جو کسی عامی کی شان سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ کسی عالم کی جانب سے! ایسی شیخی اور بے سروپا ڈینگ کسی طرح زیب نہیں دیتی اس لیے کہ یہ کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی کہ جس کا جواب کوئی مشکل امر تھا نہ ہی کوئی اس قسم کی بار بار بحث کرنے اور سوال اٹھانے کی نوبت آئی جس قدر

کوئی مشکل امر تھا۔ نہ ہی کوئی اس قسم کی بار بار بحث کرنے اور سوال اٹھانے کی نوبت آئی۔ جس قدر آئی اس کا اسی وقت شافی جواب دے دیا گیا بلکہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے تو ایک دوسرے طریقہ سے بھی اس کا شافی وکافی جواب دے دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندوؤں کے اس سلسلہ میں تین گروہ ہیں۔ ایک تو عوام کا وہ پاکستان سے اسی طرح خائف ہے جس طرح مسلمان ہندو راج سے اور یہ دونوں ہی حقیقت حال کے سمجھنے سے قاصر اور العوام کالانعام کے مصداق ہیں۔ دوسرا گروہ مہاسبھائی اور بعض کانگریسی ہندوؤں کا ہے جو یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان بنجانے میں ان کا فائدہ ہے کہ ان کو ملک کے ۲/۳ حصے پر من مانی حکومت کرنے کا موقعہ ہاتھ آئے گا اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں ان کی اس قدر موثر اقلیت ہوگی کہ وہ مسلم اکثریت سے قطعاً مرعوب نہ ہو سکے گی اور تیسرا گروہ کانگریسی ہندوؤں کی اکثریت کا ہے۔ وہ اپنے نقطۂ نظر کے مطابق فرض سمجھتے ہیں کہ جب ملک کو زیادہ سے زیادہ قربانی دے کر آزاد کرایا جائے تو پھر اس کے ٹکڑے کر کے اس کو اس قابل نہ بنایا جائے کہ انگریز دوبارہ، یا روس یا امریکہ جدا جدا ٹکڑوں پر یکے بعد دیگرے قابض ہو کر ہندو مسلمانوں کو غلام بنالیں مگر مرتب مکالمہ کو چونکہ لوگوں کو دھوکہ دینا اور اپنی اغراض مشؤمہ کو حاصل کرنا ہی مقصود ہے اور جانتا ہے کہ مولانا عثمانی کے تقدس کی آڑ میں جو کچھ کہا جائیگا سب تسلیم کرلیا جائے گا کوئی چون وچرا نہ کرے گا۔ اسلئے جو چاہا لکھ مارا۔ جب اس پر چون وچرا کی گئی اور غلط بیانی اور دروغگوئی کا الزام رکھا گیا تو وائے صد حسرت! کہ حضرت مولانا عثمانی نے علمی وقار کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے افترا پرداز مرتب کی حمایت میں اپنی تقریروں کے اندر مباہلہ کا چیلنج دینا شروع کر دیا اور یہ غور فرمانے کی زحمت بھی گوارا نہ فرمائی کہ مسلمانوں کی باہم دعوت مباہلہ شرعاً کیا حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن جب علامہ عثمانی کے مباہلہ کے چیلنج کو دہرانا ضروری سمجھا تب ہم نے بھی آخر کار سہارنپور کے بھرے

اجلاس میں اس کو قبول کر لیا اور یہ کہہ دیا کہ ہم مباہلہ کے لئے تیار ہیں مگر قسم یہ کھا نی پڑیگی کہ" مکالمۃ الصدرین میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حرف بحرف بلاکم و کاست صحیح ہے اور بلاشبہ وہی کلام ہے جو کہ مجلس میں وفد جمعیۃ کے ساتھ ہوا تھا اگر اس میں صداقت نہ ہو تو الخ" مگر مولانا عثمانی اس طرح مباہلہ نہیں کر سکتے اور نہ کوئی دوسرا کر سکتا ہے کیونکہ

(الف) خود مرتب مکالمہ اقرار کرتا ہے کہ گفتگو سوا تین گھنٹہ رہی اور مکالمہ کی مندرجہ باتیں صرف پاؤ گھنٹہ میں بولی جا سکتی ہیں!

(ب) مرتب مکالمہ کو خود یہ اقرار ہے کہ یہ خلاصہ اور لب لباب ہے اس گفتگو کا جو کہ وفد جمعیۃ اور مولانا عثمانی کے درمیان ہوئی! اس کے بعینہ الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"لیکن گفتگو کا ملخص اور ضروری لب لباب جہانتک ممکن تھا لے لیا گیا۔"

(ج) خود مرتب کو یہ بھی اقرار ہے کہ "کوئی ایک آدھا جز چھوٹ گیا ہو تو جدا بات ہے ترتیب کلام میں تقدیم و تاخیر بھی ممکن ہے کیونکہ جس وقت مکالمہ ہو رہا تھا بر وقت منضبط نہیں ہوا۔"

پس جبکہ مرتب صاحب مکالمہ کے وقت موجود نہ تھے! جو کچھ لکھا گیا اس میں تقدیم و تاخیر اور اصل مضمون و کلام کے پوری طرح محفوظ نہ رہنے کا بھی اقرار ہے۔ جس کو لب لباب لکھ کر چھپایا گیا ہے تو ایسی صورت میں کیا علامہ عثمانی مباہلۂ اسلامی کے مطابق یہ قسم کھانے کو آمادہ ہو جائیں گے کہ مکالمۃ الصدرین کا مضمون قطعاً صحیح اور گفتگوئے باہمی کے عین مطابق ہے! اور جو اس بارے میں جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو کہ یہی مباہلہ کا طریقہ ہے۔

اگر علامہ عثمانی مکالمۃ الصدرین کی ان دروغ بیانیوں کے باوجود جنکو ہم نے اس رسالہ میں طشت از بام کیا ہے اس پر مباہلہ کے لئے آمادہ ہیں تو بسم اللہ! ہم اس چیلنج کو قبول

اعلان سہارنپور کے بھرے اجلاس میں کر چکے ہیں (اگرچہ مولانا مباہلہ اسلئے بھی نہیں کرسکتے کہ مباہلہ کی اولین قسط بیٹے اور بیٹیاں ہیں جو کہ مولانا کے پاس نہیں ہیں اور ہمارے پاس خدا کے فضل سے وہ بھی ہیں۔ سہارنپور کے اجلاس میں ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں) مگر اس کے بعد سے آج تک ہمیں یہ نہیں پہنچایا گیا کہ مولانا اب بھی مباہلہ کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟ بلکہ جہاں تک معلوم ہوا وہ یہی ہے کہ مولانا اب اپنی تقریروں میں مباہلہ کا تذکرہ نہیں فرماتے۔

خلاصہ یہ کہ محض ہوا باندھنے اور مقاصد مشئومہ کو پورا کرنے کے لئے خوف خدا کئے بغیر ایسے شرمناک امور کا ارتکاب کیا جارہا ہے جو کہ اہل علم وتقوی کیلئے تو درکنار معمولی مسلمان سے بھی بعید ہیں

کیا اسلامی اخلاق بلکہ عام اخلاقی نقطۂ نظر سے یہ ضروری نہیں تھا کہ اگر مکالمۃ الصدرین کے واقعات قطعاً صحیح اور درست تھے تو قبل از طباعت مولانا حفظ الرحمن صاحب کو (جو کہ مولانا عثمانی کے شاگرد ہیں) یا مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب کو (جو کہ مولانا عثمانی کے شاگرد اور بھتیجے بھی ہیں) دکھلالیا جاتا۔ بلکہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب تک تمام حاضرین کے دستخط نہ ہو جاتے اس وقت تک شائع نہ ہوتا کیونکہ مثل مشہور ہے کہ "سانچ کو آنچ نہیں ہے" لیکن افسوس کہ مرتب صاحب کو اسکی جراءت نہ ہوئی غالباً اسلئے کہ اس میں جو کچھ ہے من گھڑت اور اکثر حصہ خود ساختہ ہے اور کذب و افتراء سے مملو۔ علی ہذا القیاس! اگر اس میں تمام امور مندرجہ واقعی ہی تھے تو مولانا عثمانی نے اپنے دستخط کیوں نہ فرمائے۔

اسکے بعد صہ ۱۱ کے آخر میں علامہ عثمانی کا فلسفہ تین کروڑ مسلمانوں کے تحفظ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ حسب ذیل ہیں!

"اس کے بعد وفد جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے کہا گیا کہ اچھا اگر پاکستان بنجائے

تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہند وصوبوں میں رہیگی اسکی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا؟ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ان کے لئے معاہدات ہوں گے۔ انہیں معاہدات کے ماتحت مسلم اقلیت ان کے یہاں اور ہندو اقلیت ہمارے یہاں رہیگی اور ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے تلے دبا رہیگا۔ آخر اکھنڈ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی"

تعجب ہے کہ معاہدات کو ایک طرف غیر کافی بتلا کر تقسیم پاکستان کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کے لئے اسی کی تھپکی دی جاتی ہے۔ اِنَّ هٰذا لشئ عجاب

اس کے بعد علیگڈھ یونیورسٹی پر اتہام کا عنوان پیش کیا گیا اور جو بدعنوانیاں طلبہ کی جانب سے ہوئی ہیں ان پر پردہ ڈالنے یا انہیں ہلکا کرنے کیلئے ان کا تذکرہ اس عنوان کے ماتحت یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ سب امور تہمت ہی تہمت ہیں اور یا ہوتے ہی رہتے ہیں ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ ہم ناظرین کو مولانائے عثمانی کے رسالہ ترک موالات کے مضامین ہی کی طرف متوجہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں (جس میں حضرت موصوف نے اس عنوان پر کہ علماء کے وقار کو کون مٹانا چاہتا ہے۔ خوب روشنی ڈالی ہے۔

اسلئے ہم کو اس وقت قائد اعظم کے اس زہر کو یاد دلانیکی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی جو انہوں نے کلکتہ میں اور عربک کالج دہلی میں علماء کے خلاف اگلا تھا اور اپنی اس فتحمندی پر کہ علماء کا انہوں نے مٹایا ڈنکا بجایا تھا۔

۱۱ و ۱۲ پر فرماتے ہیں:۔

فیروز خان نون کے متعلق میں بحث نہیں کرتا لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا یگمان نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں

آسکتے ہیں یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں"

اول تو یہ مسئلہ زیر بحث ہی نہیں تھا کہ مسٹر جناح دباؤ یا لالچ سے خریدے جا سکتے ہیں یا نہیں اور وہ سرکاری آدمی ہیں یا نہیں بلکہ بحث کا رخ تو یہ تھا کہ مسٹر جناح کی موجودہ پالیسی حکومت برطانیہ کے اقتدار کو مضبوط کرنے والی اور آزادی ہند میں رکاوٹ ڈالنے والی اور مسلمانوں کے لئے مضرت رساں اور مہلک ہے۔ اسلئے ہماری جانب سے اس پر زور دیا گیا لیکن مولانائے موصوف کو چونکہ جناح صاحب کو خراج عقیدت ادا کرنا تھا اسلئے اس بہانہ سے ادا کر دیا اور یہ بھی فراموش کر دیا کہ جمعیۃ علماء ہند کی رکنیت کے زمانہ میں متعدد مرتبہ مولانا نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اگرچہ کانگریس کا مخالف ہوں لیکن مسلم لیگ کے بھی سخت خلاف ہوں۔ اسلئے کہ میرا الیقین ہے کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ مذہب کو برباد کرنے اور عوام کو علمائے حق سے نفرت دلانے والے ہیں۔

پس اگر اس بات کو زیر بحث لانا ہی ہے تو علامہ عثمانی اپنی چند مختصر ملاقاتوں پر مبنی خوش فہمی کے مقابلہ میں ان بیانات کو ملاحظہ فرمائیں جو طویل تجربہ کے بعد مسٹر جناح کے متعلق رائے زنی کرتے ہیں یا حکومت خود اُن کے متعلق جو توقعات قائم کرتی رہی ہے اور وہ توقعات مسٹر جناح کے ہاتھوں پوری ہوتی رہی ہیں۔

چنانچہ مندرجہ ذیل ایک خط ہے جو سائمن کمیشن کے زمانہ میں لارڈ برکن ہیڈ وزیر وزیر ہند نے ہز ایکسلنسی لارڈ ارون کو بھیجا تھا۔ اس میں تحریر ہے۔

"میں سائمن کو صلاح دونگا کہ وہ ہر منزل پر ان تمام لوگوں سے ملاقات کرے جو اس کمیشن کا بائیکاٹ نہیں کرتے خصوصاً مسلمان اور پست اقوام۔ میں صلاح دونگا کہ وہ نمائندہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی تمام ملاقاتوں کا وسیع پیمانے پر اشتہار دے (انگریزی حکومت کی) اب یہ تمام پالیسی ظاہر ہے۔

وہ یہ کہ ہندوؤں کی بہت بڑی آبادی کو خوفزدہ کردیا جائے کہ کمیشن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو رہا ہے اور ممکن ہے کہ وہ ایسی رپورٹ پیش کرے جو ہندوؤں کی پوزیشن کو بالکل برباد کردے گویا اس طرح پر مسلمانوں کی ٹھوس مدد حاصل کی جائے۔ اور مسٹر جینا کو بڑھایا جائے اور پاک وصاف رکھا جائے

(حریت دہلی مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۴۶ء)

نیو اسٹیٹسمین اینڈ نیشن لندن مورخہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۴۰ء کالم ۳ و ۴ میں طویل مضمون لکھتا ہے جس کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

"..... اس کا (مسلم لیگ کا) دعویٰ ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اسکے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ وائسرائے کی ممتاز سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی ہے۔ ہم نے مسٹر جینا کی انتہا پسندانہ روش کو ہندوستان کی مسلمان آبادی کی جس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اصلی رائے سمجھنا شروع کردیا ہے۔ اور مسٹر جینا اور دوسری ہندوستانی جماعتوں میں جن میں دوسری مسلم جماعتیں بھی شامل ہیں کسی اتحاد و اتفاق کا ہونا ممکن نہیں .... (کالم ۵) اگر ہماری یہ پیشکش مخلصانہ ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات عطا کردیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا! لیکن اگر ہم مسٹر جینا کو محض اپنا آلۂ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت بھونڈے اور ناکارہ عہد نامہ کو بھر کر ہمیں اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے لئے تیار رہیں تو ہم ایسا نہیں کرینگے۔ اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ "ہم تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا پرانا کھیل کھیل رہے ہیں تو اسکے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم مستقبل قریب میں ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں"۔

(مدینہ بجنور مورخہ ۱۴ر مارچ ۱۹۴۱ء ۱۸ جلد ۳۰)

(۴) مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۴۵ء ۵۲ جلد ۳۴ میں لارڈ ویول اور مسٹر جینا کی خط و کتابت کے شائع ہونے پر مندرجہ ذیل مقالہ لکھتا ہے۔

"سابق وائسرائے اور مسٹر جینا کی خفیہ ساز باز" قائد اعظم کی طرف سے لارڈ ویول کو خفیہ بات چیت کی دعوت۔

"شملہ ۱۶۔ جولائی۔ آج ہز ایکسلنسی لارڈ ویول وائسرائے ہند اور مسٹر جینا کی وہ خط و کتابت شائع ہو گئی جو ان دونوں کے درمیان شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں ہوئی تھی۔ گورنر جنرل کے سکرٹری کے ۲۹ جون کو وائسرائے کی طرف سے مسلم لیگ کو لکھا ہے کہ ایگزیکٹیو کونسل کے لئے اپنے ناموں کی فہرست پیش کریں اور مناسب سمجھیں تو اپنی پارٹی کے علاوہ بھی نام پیش کریں! اس خط کے جواب میں مسٹر جینا نے وائسرائے کو خفیہ ساز بازی کی دعوت دی اور یہ ظاہر کیا کہ سابق وائسرائے اس قسم کے معاملات کو خفیہ گفتگو سے طے کیا کرتے تھے مگر لارڈ ویول نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ الخ"

(۵) ماڈرن ریویو ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء ص ۱۳۵ میں ایک دلچسپ خط شائع ہوا ہے ہم اس کی عبارت کا ترجمہ بالتمام نقل کر کے حوالۂ ناظرین کرتے ہیں تاکہ مسئلہ زیر بحث پر صحیح رائے قائم کی جائے۔ ایڈیٹر لکھتا ہے۔

"گذشتہ ہفتہ ہوائی ڈاک سے ایک دلچسپ خط انگلستان سے آیا ہے اس میں ایک انگریز نے اپنے ایک ہندوستانی دوست کو جو اسکے ساتھ عرصہ تک بنگال میں انڈین سول سروس میں رہا ہے اور اپنی قبل از وقت پنشن سے پہلے تک ذمہ دار عہدہ پر سرفراز تھا اور اب انگلستان میں سوشل اور تعلیمی مشاغل میں منہمک ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ویول کی تجاویز کا گر جانا حقیقتاً ایک سانحہ ہے۔ تمہاری طرح

میرا بھی پختہ خیال ہے کہ ہندو مسلم اختلافات کی اکثر و بیشتر تلخیاں برطانوی پالیسی کی مرہونِ منت ہیں۔ اگر ہندوستان کے برطانوی نظم و نسق نے ان دونوں جماعتوں کو متحد کرنے کی جد و جہد کی ہوتی تو وہ آج سے پچاس سال پہلے نہایت آسانی سے اسے کر سکتے تھے۔ اب البتہ یہ بہت مشکل ہو گیا ہے لیکن اس کے بجائے انھوں نے ان اختلافات کو ہوا دی اور انہیں بڑھنے دیا میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جناح ہندوستان کا ذہین شیطان ہے۔ اس کے مطالبات احمقانہ ہیں اور زیادہ تر اس غلط فہمی پر مبنی ہیں کہ مفاہمت کے لئے وہائٹ ہال اس کی خاموش پشت پناہی کر رہا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ویول اپنے اس فریب خوردہ کو بلا کر کہیں گے کہ بہت اچھا اگر تم ناموں کی فہرست دینے سے انکار کرتے ہو تو میں اپنی کارروائی کو آگے بڑھاتا ہوں اور بغیر تمہارے اس فہرست کو لیکر جو دوسری پارٹیوں نے پیش کی ہے اپنی کونسل بناتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ (ویول) اپنی رائے میں آزاد ہوتے تو ایسا ہی کرتے! مگر مسٹر چرچل نے مطالبات کی منظوری پر جو طریق کار تجویز کیا تھا وہ یہ تھا کہ اگر ایسی مشکل پیش آئے جیسی کہ حقیقتاً پیش آئی تو فوراً قدیم سسٹم کی طرف لوٹا جائے۔ یہ بری طرح مشہور رہے کہ چرچل رعایت دینے کے سخت خلاف ہے اور پرانے سسٹم کو برقرار رکھنے کے لئے جو بھی موقع حاصل ہوتا ہے اس سے اس کو خوشی ہوتی ہے۔

ہم حقیقتہً متعجب تھے کہ اس نے دیول کی تجاویز پر کیسے دستخط کر دیئے۔ غالباً اس نے اسلئے دستخط کر دیئے کہ اسے یقین کامل تھا کہ جناح ہٹ دھرم ثابت ہوگا اور کانفرنس کو ناکام کر دینے کے لئے یہ ہٹ دھرمی ایک بہانہ ہو جائیگی۔

جیسا کہ تمہیں علم ہے چرچل فطرتِ انسانی کے کمزور پہلوؤں کا اندازہ لگانے میں

بہت ماہر ہے اور غالباً وہ (چرچل) پوری طرح واقف تھا کہ اگر میں پیشتر سے کوئی اشارہ نہ کرونگا تو جناح کا کیا طرزِ عمل رہے گا! اب صرف ایک امید رہ گئی ہے کہ لیبر گورنمنٹ واپس آجائے۔ جہانتک شہنشاہیت کا تعلق ہے میں لیبر پالیسی کے بارے میں کچھ اچھا خیال نہیں رکھتا۔ لیکن کم از کم شاید وہ دوبارہ بات چیت کا دروازہ کھولے اور ویول کو آزادی سے کام کرنے کا موقع دے

آج رینالڈ نیوز میں ایک زبردست مقالہ افتتاحیہ ہے جس میں سارا الزام جناح پر رکھا گیا ہے اور کھلے بندوں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بغیر مسٹر جناح کے اشتراک کے کونسل بنائی جائے۔ یہ اخبار لیبر پارٹی کے زیادہ روشن خیال لوگوں کا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے۔ یہ ہے وہ مقالۂ افتتاحیہ جو رینالڈ نیوز نے لکھا ہے اور جس میں شملہ کانفرنس کی ناکامی پر تبصرہ کیا گیا ہے جس کا اشارہ میں نے اپنے خط میں کیا ہے۔

اب وقت ہے کہ ہندوستان کے بارے میں صاف گوئی سے کام لیا جائے مسلم لیگ کے صدر جینا نے باوجود اس صاف حقیقت کے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ کانگریس میں شریک ہے اس مطالبہ پر اڑ کر کہ مسلم لیگ ہی کو ہندوستانی مسلمانوں کا واحد نمائندہ تسلیم کیا جائے۔ ایک بار پھر دستوری جمود کے حل کو خطرہ میں ڈالدیا ہے۔ یہ صرف پہلا موقعہ نہیں ہے کہ جناح نے غیر مصالحانہ روش اختیار کی ہو ہم کب تک اسے ہر بڑا امید اقدام کو ٹھکرانے کا موقعہ دیتے رہیں گے۔ برطانیہ کا فرض یہ ہے کہ وہ مصالحت کی پوری کوشش کرے۔ لیکن اگر مصالحت کی جد وجہد ایک پارٹی کے طرزِ عمل سے کھلے بندوں توڑی جارہی ہو تو برطانیہ کا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ سے کہدے کہ مجھے تمہارے طرزِ عمل پر افسوس ہے۔ لیکن ہم اسے

ہندوستان کی سیلف گورنمنٹ کے حل میں مسلسل روڑے اٹکانیکی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہم اس سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس حل کو لیکر آگے بڑھ رہے ہیں جس کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اور جسے ہندوستانی سیاسی تحریک کی سب سے بڑی جماعت نے قبول کرلیا ہے۔ مسلم لیگ کے لئے جگہ خالی ہے۔ جب وہ خواہش کرے گی اسے اسکی جگہ دیدی جائے گی۔ سابقہ تجربات کی بنا پر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک برطانیہ اس خاردار درخت کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اس وقت تک ہمیں سیلف گورنمنٹ کی جانب کسی حقیقی ترقی کا خیال ترک کردینا چاہیئے"۔

یہ ہے مسٹر جناح قائد اعظم مسلم لیگ کا کردار جس سے حکومت برطانیہ اور اسکے قریب رہنے والے اچھی طرح واقف ہیں۔

مولانا عثمانی اور مرتب مکالمہ افسوس ہے کہ عام مسلمانوں کی طرح ان واضح امور سے ناواقف ہیں۔ یا ان پر غور نہیں فرماتے

علاوہ ازیں یہ بھی لائق توجہ بات ہے کہ یہ تسلیم کرلینے کے باوجود کہ مسٹر جناح سرکاری آدمی نہیں ہیں قدم قدم پر کس طرح سیاسی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور مسلمانوں کو نقصان عظیم پہنچاتے رہے ہیں چنانچہ جناح کی اُن سیاسی کارنامیوں پر بھی غور نہیں فرماتے جو انھوں نے ۱۹۱۶ء کے پیکٹ میں اور پھر ۱۹۲۰ء کی ریفارم اسکیم میں مسلم اکثریت کے صوبوں کے متعلق کیں اور پھر ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کنونشن کانفرنس میں انہیں صوبوں اور مخلوط انتخاب کے متعلق فرمائیں اور پھر ۱۹۳۱ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں متعدد غلطیاں اور خیانتیں قوم اور ملک کے متعلق اقلیتوں سے معاہدہ کرکے وقت اور اس سے پہلے عمل میں لائے۔ جن میں سے متعدد غلطیاں واضح طور پر ہم نے رسالہ "زعمائے لیگ کی سیاسی غلطیاں"[1] میں بیان کردی ہیں۔ اور پھر کمیونل ایوارڈ کی قبول

---

[1] اس رسالہ کا دوسرا نام مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے فہرست کتب ۹۲

کرنے میں ۱۹۳۳ء میں پیش آئیں جن کا خمیازہ آجتک اکثریت والے صوبے بھگت رہے ہیں۔

کیا ان واقعات کے بعد بھی مولانا عثمانی اور ان کے ہوا خواہوں کی خوش فہمی کسی ادنی درجہ کے سمجھدار منصف مزاج کے نزدیک صحیح ہو سکتی ہے۔

پھر ڈیلی گیشن کی آمد سے پہلے پاکستان کے متعلق کس طرح پروپیگنڈا کیا گیا اور کس طرح مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا گیا اور پھر ڈیلی گیشن کے سامنے کس ذلیل طریقہ پر ہتھیار ڈالدیئے گئے اور عارضی حکومت میں پیریٹی کے دعووں پر قناعت کر لی گئی۔ عام مسلمانوں کو دھوکہ دے کر گروپنگ اور حق خود اختیاری کو پاکستان کا پیش خیمہ بتلا کر خاموش کیا گیا! پھر کس طرح کسی نیشنلسٹ مسلمان کے عارضی حکومت میں نامزد ہونے پر ہٹ کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلط ادعاء واحد نمائندگی کی وجہ سے عارضی حکومت ہی ہاتھ سے نکل گئی سہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اب بیانات میں برٹش ایمپائر اور اس کے عہدہ داروں کو گالیاں دیجاتی ہیں اور سخت سے سخت مقالات زیب رقم کئے جا رہے ہیں اور سول نافرمانی کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور عملی اقدام کی تیاریاں ہو رہی ہیں جو ہنوز شرمندہ تعبیر نہیں ہیں۔[۵۱]

فاعتبروا یا اولی الابصار

اس کے بعد ص ۱۲ پر علماء کے اقتدار کو مٹانے اور دین کے تباہ کرنے کی مشکل کو ذکر کر کے اس کے حل کی صورت علامہ عثمانی کی طرف سے ذکر کی گئی ہے کہ سب کے سب مل کر لیگ میں داخل ہو جائیں اور ایک دو مہینے دورہ کر کے تین چار لاکھ آدمی دو آنے والے ممبران لیگ بنائیں۔ جب ہمارے ہمخیال ممبران کی

---

۵۱ یعنی آخر رمضان ۶۵ھ م اگست ۴۶ء تک۔

اتنی بھاری تعداد مسلم لیگ میں داخل ہو جائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید صورت مسلمانوں کے لئے ہو گی بآسانی برروے کار لاسکیں گے۔

یہ تدبیر مولانا کی محض خوش خیالی اور عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ تین چار لاکھ نہیں اگر دس لاکھ بھی ممبر بنا لئے جائیں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ مولانا تو ابھی خیالی دنیا ہی میں سیر فرما رہے ہیں۔ مگر ہم نے عملی جدوجہد بھی کر لی ہے اور بخوبی تجربہ کر لیا ہے۔

اذا ما الناس جربھم لبیب فانی قد اکلتھم وذاقا
فلم ارودھم الا خداعا ولم ادینھم الا نفاقا

ہمارا تجربہ یہ ہے کہ یہ امر نہ ممکن ہے اور نہ اس کی کوئی صورت بن سکتی ہے اس لئے کہ:۔

(الف) یہ وہاں ہو سکتا ہے جہاں نظام جمہوری واقعی ہو اور جہاں نیچے سے اوپر کو عروج ہوتا ہو اور جہاں جمہوریت صرف دکھلانے اور کہلانے کے لئے ہو اور اوپر کے عہدہ دار ڈکٹیٹر شپ کے مرہون منت ہوں۔ وہاں یہ صورت ناممکن العمل ہے۔ بدقسمتی سے آج تک یہی کیفیت لیگ کی رہی ہے اور جہاں کسی نے اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہی اسکو منہ کی کھانی پڑی۔

(ب) ہائی کمانڈ اور لیگ کونسل میں جن لوگوں کو اقتدار حاصل ہے وہ سب کے سب جناب قائد اعظم کی نظر التفات کا تماشا رہتے ہیں اور پھر جب کسی نے ذرا بھی حق پرستی اور حق گوئی کا یا اصلاح کا ارادہ یا عمل کیا۔ اس کے ساتھ کیا عمل کیا گیا اس کو جی، ایم سید کے دل وجگر سے پوچھئے اور ان کے بیانات سے روشنی حاصل کیجئے۔ نیز مسٹر عبد الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب حیدرآبادی۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب (زمیندار) مولانا حسرت موہانی کے واقعات کو زیر نظر

لائیے ۔ من حب المحجوب حلت به النقد امة

اگر یہ صورت مولانا کے نزدیک ممکن ہے تو چونکہ مقصد متحد ہے اسلئے مولانا کو لازم ہے کہ وہ اور تمام علمار اسلام جن کے مولانا صدر ہیں سب مل کر اس کام کو انجام دے دیں ۔ اور سرخروئی عنداللہ وعند الناس بیش از بیش حاصل کریں ۔

(د) جبکہ موجودہ لیگ سے ہم لوگوں اور جملہ آزادی خواہ جماعتوں اور افراد کو نظریات ، نصب العین ، طریق کار اور فکر و عمل میں اختلاف ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ سب کے سب مولانا کے ارشاد کے مطابق اس میں یوں ہی داخل ہوجائیں ۔

بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح طریق کار یہ ہے کہ مسلمانوں اور مسلم جماعتوں کے نمایاں اصحاب رائے اور صائب الرائے حضرات مجتمع ہوں اور موجودہ صورت حال کا جائزہ لیکر کھلے دل ودماغ کیساتھ یہ سوچیں اور غور کریں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے باعزت مقام کس طریقہ سے مل سکتا ہے اور اس کے حصول کے لئے کیا طریق کار ہو ۔؟

پس اگر مسلم لیگ اس صورت کیلئے آمادہ ہے تو بسم اللہ ہم سب حاضر ہیں ورنہ مسلمانوں کو متحد کرنیکی دعوت بجز ڈھونگ رچانے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی ! پس اگر حضرت مولانا لیگ کو اسپر آمادہ کر سکتے ہیں تو "چشم ماروشن ودل ماشاد" ۔ ورنہ کیوں لیگ کی مضرات کی ذمہ داری خواہ مخواہ اپنے سر لیتے ہیں ؟ اور "مسجد ضرار" اور لیگ کے "آلۂ کار" "جمعیۃ علماء اسلام" کو کیوں جمعیۃ علمار ہند کی تخریب کے لئے عصاء پیری بناتے ہیں ۔

بہرحال مکالمۃ الصدرین کی حقیقت کے اظہار اور معاملات زیر بحث کی بابۃ جمعیۃ علماء ہند کے خیالات و افکار سے متعلق جو ضروری امور قابل تذکرہ تھے ان کو واضح کرکے ہم اب اس تحریر کو ختم کرتے ہیں ۔ وباللہ التوفیق

ننگ اسلاف :- حسین احمد غفرلہ

مختصر فہرست کتب اشتیاق بکڈپو دیوبند

میدان سیاست کے ہر ایک رہرو کیلئے ان سیاسی کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

متحدہ قومیت اور اسلام ۔ یہ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی تالیف لطیف ہے جس میں مخالفین کے ان تمام اعتراضات کا مدلل و مسکت جواب دیا گیا ہے جو حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کے نظریۂ قومیت پر کئے جاتے ہیں ۵ر

مسٹر جناح کا پر اسرار معمہ اور اس کا حل ۔ مصنفہ حضرت مدنی مدظلہ العالی - آپ اور آپ کے رفقاء ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ سے کیوں علیحدہ ہوئے قیمت ۲ر

مسلم لیگ کیا ہے؟ مصنفہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قیمت ۲ر

مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں " " " " ۲ر

پاکستان کیا ہے؟ " " " " " " ۳ر

سول میرج اور لیگ " " " " " ۲ر

شریعت بل اور لیگ " " " " ار

ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل " " " " ۲ر

خطبات صدارت و نایاب تقاریر ۔ (۱) اجلاس سیوہارہ منعقدہ ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کی تقریر

(۲) انجمن علماء بنگال منعقدہ مارچ ۲۱ء کا بیش بہا خطبۂ صدارت

(۳) جلسۂ دہلی منعقدہ اگست ۱۹۲۱ء کی بصیرت افروز تقریر قیمت فیجلد ۱۴ر

تحریک پاکستان پر ایک نظر ۔ اقتصادی۔ معاشی اور تبلیغی لحاظ سے تحریک پاکستان پر نہایت جامع اور فاضلانہ تبصرہ قیمت ۴ر

جمعیۃ علماء کیا ہے؟ حصۂ اول ۔ اس رسالہ میں جمعیۃ علماء ہند کے اغراض و مقاصد بیان کر کے واضح کیا گیا ہے کہ اُس نے ان مقاصد کے ماتحت کیا کیا خدمات انجام دیں۔ ۶ر

جمعیۃ علماء کیا ہے (حصہ دوم) مع تتمہ :- یعنی جمعیۃ علماء ہند کی چھبیس سالہ تاریخی تجاویز کا مجموعہ .... قیمت ۱۲؍

کشف الغطاء عن الوقایہ - یعنی مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے رسالہ "شرکت کانگریس اور لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ" کا مدلل مفصل اور حقیقت افروز جواب قیمت ۸؍

اشرف الافادات - اس رسالہ میں حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرفعلی صاحب قدس سرہ العزیز کے وہ ارشادات جمع کئے گئے ہیں جن میں آپ نے مسلم لیگ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے اسکی شرکت سے اپنے متوسلین و معتقدین کو منع فرمایا ہے قیمت ۲؍

علماء ہند کا شاندار ماضی (جدید) جلد اول - مولانا سید محمد میاں صاحب کی مشہور تصنیف ہے جس میں حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے زمانہ سے اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت کے خاتمہ تک مذہبی، سیاسی اور معاشی حالات علماء ملت کی خدمات وغیرہ وغیرہ مجلد ۲؍

علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے - (حصہ اول) ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۳۹ء تک علماء ملت کے کارنامے قیمت ۲؍

متحدہ قومیت اور اسلام - آیات کتاب اللہ شریف اور لغت عربی کی روشنی لفظ قوم کی تحقیق، متحدہ قومیت کی حقیقت - متحدہ قومیت کے متعلق حضرت مصنف مدظلہ العالی کا نظریہ علامہ اقبال مرحوم کے اعتراضات کا جواب - وغیرہ وغیرہ قیمت ۔

نصرۃ الابرار - شرکت کانگریس کے جواز کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور دیگر علماء ہند کا فتوی جو کانگریس کے اقتدار کے زمانہ میں شائع کیا گیا - قیمت ۴؍

دو فتوے - مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا سید محمد میاں صاحب کیطرف سے شکوک کا جواب " ۱؍

الکشنی جہاد - مولانا منظور نعمانی کا اصلاحی رسالہ " ۲؍

ملنے کا پتہ

اشتیاق بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور

ہر ایک مسلمان کا فرض ہے

جمعیۃ علماء ہند کی امداد فرمائے

امداد کا بہترین طریقہ ہے

جمعیۃ علماء ہند کی مطبوعات خریدے

جمعیۃ کی مطبوعات ملنے کا پتہ ہے

اشتیاق بکڈپو دیوبند۔ یو۔پی

پیش لفظ

از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی
ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند

ایک مرتبہ دیوبند جانا ہوا حسب معمول حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ مولانا عبدالحنان صاحب ہمراہ تھے۔ دیرینہ و مخلصانہ تعلقات کی وجہ سے مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ بات چیت کا رخ موجودہ سیاسی مسئلہ کی طرف پھر گیا۔

یہی زمانہ تھا کہ حضرت مولانا نے مولانا آزاد سبحانی کی اس خواہش کو مسترد کر دیا تھا کہ مفروضہ جمعیۃ علماء اسلام ——— جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں الیکشن کے لئے جس کی سخت ضرورت محسوس کی جاری تھی ——— کی صدارت کو قبول فرمائیں ——— اور مسترد بھی یہ ہی کہہ کر کیا کہ "یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ الیکشن میں استعمال کرنے کے لئے ہے۔ کیا اس کے بعد بھی جمعیۃ علماء اسلام کی راہنمائی لیگ کے لئے مشعل ہدایت بنیگی"۔ ———

مگر بقول حضرت مولانا عثمانی چند روز بعد ہی بعض آمدہ خطوط نے اتنا اثر ڈالا کہ حضرت مولانا کو کلکتہ کے اجلاس میں اپنا پیغام بھیجنا ہی پڑا۔

حالات کے اس تضاد نے دل میں ایسی خلش پیدا کر دی کہ دیرینہ نیاز مندانہ تعلقات کی وجہ سے دل چاہا کہ نجی مجلس میں ان دونوں باتوں کا تطابق معلوم

ہو جائے تو بہتر ہے کہ جس چیز کو چند روز قبل ڈھونگ سمجھ کر رد کر دیا گیا تھا وہ کون سے تاثرات تھے جن کی وجہ سے چند دن بعد اس ڈھونگ نے اس قدر اہمیت پیدا کر لی۔

پھر بارہا حضرت مولانا کی مجلس میں یہ بھی سن چکا تھا کہ میں جمعیۃ علماء ہند کے شرکت کانگریس کے فیصلہ سے مطمئن نہیں ہوں۔ تاہم، میں مسلم لیگ میں نہ شریک ہو سکتا ہوں اور نہ کبھی حمایت کر سکتا ہوں۔ کیونکہ میرا یقین ہے کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی لیڈرشپ علماء اسلام کی توہین اور مذہب کی تخریب کے درپے ہے اور مذہب کا نام استعمال کر کے بے دینی اور الحاد پھیلا رہی ہیں۔ اس لئے بھی ضرورت تھی کہ اس خلش کو دور کیا جائے۔ کہ اب لیگ کی حمایت کے اسباب کیا ہیں۔

حضرت مولانا سے ذکر آیا تو خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا کہ "مناسب ہے کسی دوسرے وقت باتیں کریں گے۔

حسن اتفاق کہئے یا سوء اتفاق سمجھئے کہ دوسری حاضری کے وقت اکابر جمعیۃ علماء کا اجتماع حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی دعوت پر دیوبند میں ہو رہا تھا۔ طبیعت نے پھر گدگدایا اور بہتر سمجھ کر ان اکابر سے دہلی ہی میں گذارش کیا کہ حضرت مولانا عثمانی کی علالت کے سلسلہ میں عیادت کرتے ہوئے آپ حضرات بھی اگر اس گفتگو میں اس لئے شریک ہو جائیں کہ ایک جماعت کے ارکان میں جو شکوک و شبہات دار العلوم کے گذشتہ قضیہ سے پیدا ہو گئے تھے جن کی ناخوشگواری نے

ایک کو دوسرے سے دور کر دیا ہے اور غلط کار اس سے فائدہ اٹھانے کی سعی بلیغ میں مصروف ہیں کیوں نہ باہم مل کر اور شکوہ شکایت کو سن کر رفع شکوک کر دیا جائے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی موجودہ روش پر کھلے دل سے کیوں نہ تبادلہ خیالات کر لیا جائے اور یہ بتلا دیا جائے کہ اُن کی اس روش سے کیا کیا دینی مضرتیں پہونچ جانے والی ہیں۔

ان اکابر نے بخوشی اس کو منظور کر لیا اور میں نے مسرت کے ساتھ بذریعہ خط حضرت مولانا کو مطلع کر دیا۔

چنانچہ اس حاضری کے وقت خالص اسی رنگ میں گفتگو ہوئی اور اول سے آخر تک یہی پہلو گفت و شنید کا محور بنا رہا اور اس ذیل میں اسی انداز سے پاکستان پر اور دوسری سیاسی باتوں پر گفتگو ہوتی رہی۔ مناظرانہ روش سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور نہ حضرت مولانا ہی کی جانب سے یہ طرز اختیار کیا گیا تھا۔

چنانچہ پاکستان ہی کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے حضرت مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا —— "مجھ کو تمہاری تمام باتیں تو محفوظ نہیں رہیں لیکن جو کچھ ذہن میں محفوظ ہے اُس کے متعلق یہ کہتا ہوں"

غرض اس گفتگو میں ہر دو جانب سے یہ بات تو الفاظ کی صراحت میں بھی اور گفتگو کے وقت جانبین کے طرز عمل میں بھی طے شدہ اور مسلمہ تھی کہ گفتگو باہمی تعلقات اور ہم مسلک ہونے اور ایک جماعت کے ارکان ہونیکی وجہ سے نجی ہے اور مل بیٹھ کر یہ سوچنے کے لئے ہے کہ اس باہمی تفریق سے کس قدر دینی مضرتیں

ہیں اور اس لئے اس کو کس طرح مٹایا جائے۔

یہی وجہ تھی کہ شام کو دوسری ملاقات کے وقت جبکہ میں اور مولانا عبدالحنان صاحب ہی تھے حضرت مولانا نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ صبح کی گفتگو کا اثر حضرت مولانا حسین احمد صاحب پر کیا پڑا —— میں نے عرض کیا کہ وہ خوش ہیں کہ اس طرح کی گفتگو سے ایک دوسرے کے قریب ہو کر جلد غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت مولانا نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور میرے اس اقدام کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "بھائی میری یہ ہی دلی خواہش تھی اور ہے کہ اس طرح ہم ملتے جلتے رہیں تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہونے کی صورت نکل سکے۔ مجھے بھی اس سے بہت مسرت ہوئی حتی کہ تم لوگوں کے چلے جانے کے بعد میرے پاس میری جماعت کے بعض افراد آئے اور انھوں نے یہ کہا کہ —— حضرت آپ تنہا تھے۔ آپ نے ہمیں کیوں نہ بلالیا کہ ہم اُن سے گفتگو کرتے —— تو میں نے ان سے کہا —— بھائی کوئی مناظرہ تھا یا کوئی جنگ تھی کہ تم کو بلاتا۔ یہ گفتگو تو باہمی روابط کی بنا پر تھی جو خوش اسلوبی کے ساتھ آپس میں ہوئی۔ اس قسم کی ملاقات میں آپ کے بلانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔"

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ؎ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اس وقت تک نہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے نام نہاد جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت قبول فرمائی تھی اور نہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے بحیثیت صدر جمعیۃ علماء ہند گفتگو میں حصہ لیا تھا۔ اسلئے اسکو "مکالمۃ الصدرین" کہنا ہی غلط ہے اور اپنے افکار و خیالات کی گوہر افشانی اور دوسرے کے افکار و خیالات

کی غلط ترجمانی یا قدم قدم پر اس کے سکوت اور لاجواب ہوجانے کی داستان آئی اور کذب بیانی بھی سرتاسر افتراء ہے اور مجھے تو یقین کامل ہے کہ "مکالمۃ الصدرین" کے نام سے یہ جو کچھ پروپیگنڈہ کیا گیا خود حضرت مولانا کے دل ودماغ کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ متعدد دنوں تک حضرت مولانا کی مرضی پر اثر انداز ہو کر اُن حاشیہ نشینوں کے اصرار کا ثمرہ ہے جو جماعت کے اندر طویل عرصہ سے ہر قسم کے معاملات میں فساد ذات البین کی قیادت کر رہے ہیں اور جن میں سے بعض کے متعلق جو کہ اس مکالمہ کی اشاعت کے روح رواں ہیں حضرت مولانا ایک دوسری تحریک کے سلسلہ میں اسی خیال کا اظہار فرماتے رہے ہیں۔ جن کا ذکر میں آج کر رہا ہوں۔ بہرحال مکالمۃ الصدرین منصہ شہود پر آیا اور اس سے جو مقصد تھا لیگ نے الیکشن کے زمانہ میں اس کو پورا کیا اور صحیفۂ آسمانی کی طرح اس کو خوب خوب اچھالا۔ تاہم جمعیۃ علماء ہند کے ارکان نے صبر وضبط سے کام لیا اور نہیں چاہا کہ اس جانب سے اس کی تردید کی جائے اور اصل و حقیقت کا کشف کر کے کذب بیانی کا پول کھولا جائے کہ اس سے حیلہ جو طبیعتوں کو اہل حق اور علماء کے خلاف لاف زنی کا موقع ملتا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس سکوت سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا اور صبر وضبط کو لاجواب ہونے سے تعبیر کیا گیا اور طرفہ ماجرا یہ کہ اس رو میں لیگ کے سنجیدہ اہل قلم بھی بہہ گئے اور اگر "مکالمۃ الصدرین" کے کسی ایک نقل اور روایت کی بھی اس لئے تردید کی گئی کہ وہ سرتاسر بہتان ہے اور فساد ذات البین کا مرقع تو دوسری جانب صبر وضبط کے فقدان کا یہ حال ہوا کہ اس کی تردید

لازمی اور ضروری سمجھی گئی نتیجہ یہ نکلا کہ جمعیۃ علماء کے مخلصین و ہمدرد اور غیر جانبدار حضرات نے اصرار بلیغ کیا کہ اس حد پر پہنچ کر سکوت مناسب نہیں ہے اور ضروری ہے کہ گفتگو کی اصل حقیقت کو بھی واضح کیا جائے اور ساتھ ہی "مکالمۃ الصدرین" کے زیر بحث مسائل پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ اسلئے یہ مجموعہ قارئین کرام کے سامنے ہے اس میں دونوں ہی پہلو پیش نظر رکھے گئے ہیں ——— باہمی گفتگو کی اصل حقیقت کا جستہ جستہ اظہار بھی ——— اور مکالمۃ الصدرین میں کئے گئے پروپیگنڈے کا جواب بھی۔

تاہم طبیعت تکلیف اور رنج محسوس کر رہی ہے کہ کاش مکالمۃ الصدرین کے نام سے یہ کذب بیانی سامنے نہ آتی۔ تاکہ اس کے جواب کے لئے قلم اٹھانا نہ پڑتا ———

محمد حفظ الرحمٰن